تحفۃ الأمثال

صحیح احادیث سے ماخوذ، رسول اللہ ﷺ کی بیان کردہ
مثالوں کا بہترین مجموعہ

مؤلف

مولانا عبد الباسط قاسمی

ناشر:
شعبۂ نشر واشاعت، مدرسہ تحفیظ القرآن، سکٹھی، مبارکپور، اعظم گڑھ، یوپی، انڈیا۔

نام کتاب :۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ تحفۃ الامثال

مؤلف :۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ مولانا عبدالباسط قاسمی

صفحات :۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۱۶۰۔سائز : ۲۱/۱۴سم،

تاریخِ اشاعت :۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۱/۱اکتوبر، ۲۰۱۴ء

قیمت :۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۱۰۰، روپیہ

ملنے کے پتے:

1 - Madrasa Tahfeezulquran, Sikthi, Mubarakpur, Dist.Azamagarh, U.P.

276404، India, Tel: 9651856991

2 - Abdul Basit Qasmi, Anjan Shaheed, Dist. Azamgarh, U. P:

276125, India, Mobile: 9450746746

فہرست مضامین

عرضِ ناشر

بِسْمِ اللهِ، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ، وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى رَسُولِ اللهِ، وَبَعْدُ:

مدرسہ تحفیظ القرآن کے بنیادی مقاصد میں ایسی کتابوں کی نشرواشاعت بھی ہے جو کسی اسلامی موضوع پر لکھی گئی ہوں۔ اسلام کے مطابق زندگی گزارنے کے لیے قرآن کی طرح احادیثِ مبارکہ کا علم حاصل کرنا بھی ضروری ہے۔ ایک وقت تھا کہ لوگ صرف ایک ایک حدیث کے لیے ہزاروں کلو میٹر کا سفر کیا کرتے تھے، مگر آج علمِ حدیث سے عام مسلمانوں کی دلچسپی گھٹتی جارہی ہے، اس لیے وقت کی اہم ضرورت ہے کہ احادیثِ مبارکہ کو جہاں تک ممکن ہو عام کیا جائے۔ اور رسول اللہ ﷺ کی دعا بھی ہے کہ: «اللہ اس شخص کو تروتازہ رکھیں جس نے میری حدیث سنی، پھر اسے یاد کیااور دوسروں تک پہنچایا۔» (سنن ابو داؤد: ٣٦٦٠)۔

اسی مقصد کے تحت، زیرِ نظر کتاب کی طباعت کی جارہی ہے۔اس کتاب میں حضرت مؤلف نے صحیح اَحادیث سے رسول اللہ ﷺ کی بیان کردہ مثالوں کو مختلف عنوانات کے تحت جمع کیا ہے۔ ہر حدیث کی اصل عربی عبارت اور اس کے ماخذ کا مکمل حوالہ بھی دیا ہے۔ ترجمہ اور شرح کو اس انداز سے پیش کیا ہے کہ پڑھنے والا ہر حدیث کا معنی ومفہوم خوب اچھی طرح سمجھ سکتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اَمثال الحدیث کے موضوع پر یہ بہت ہی جامع، مانع، تحقیقی اور نافع کتاب ہے اور ہر اس شخص کی ضرورت ہے جو صحیح اَحادیث کی روشنی میں مثالوں کے ذریعہ دین سمجھنااور سمجھانا چاہتاہے۔

مؤلفِ کتاب، مولانا عبد الباسط قاسمی بن مولانا محمد حنیف بن ابراہیم خان، کا آبائی وطن، انجان شہید، اعظم گڑھ ہے۔ حفظِ قرآنِ کریم، تجوید اور ابتدائی تعلیم اپنے وطن میں حاصل کی، پھر جامعہ حسینیہ جونپور میں عربی کی تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد تکمیل کے لیے دار العلوم دیوبند میں داخلہ لیا۔ ۱۹۹۵ء میں "دار العلوم دیوبند" سے سندِ فضیلت حاصل کرنے کے بعد، "مرکز المعارف ایجوکیشن اینڈ ریسرچ سینٹر" دہلی میں انگریزی اور کمپیوٹر سیکھا۔ مرکز المعارف کے ذمہ داروں کی خواہش پر، ۱۹۹۸ء میں انگریزی ماہنامہ "ینگ مسلم ڈائجسٹ" بنگلور سے وابستہ ہوگئے، اور ایک ریسرچ اسکالر کی حیثیت سے اپنے فرائض سر انجام دیتے رہے۔ پھر وہاں سے سعودی عرب چلے گئے اور ۲۰۰۶ء سے سعودی عرب میں مقیم ہیں۔ زیرِ نظر کتاب انہوں نے وہیں سے تحریر فرمائی ہے جو ان کے عالمانہ ذوق کا بہترین شاہ کار ہے۔

آخر میں اس قابلِ قدر کتاب کو پیش کرتے ہوئے، ہم ذمہ دارانِ مدرسہ دعا کرتے ہیں کہ اللہ سبحانہ وتعالی حضرت مؤلف کو جزاءِ خیر عطافرمائیں۔ اوراس کتاب کے ذریعہ امت کو نفع پہنچائیں۔ آمین، یارب العالمین۔

عبدالعظیم قاسمی

(ناظم مدرسہ تحفیظ القرآن)

عرضِ مؤلف

الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ، وَالصَّلاَةُ وَالسَّلاَمُ عَلَى خَاتِمِ النَّبِيِّينَ، أَمَّا بَعْدُ.

تاریخِ انسانی کے ہر دور میں، اَمثال کو تعلیم و تفہیم اور وعظ و نصیحت کا بہترین اور مؤثر ترین ذریعہ سمجھا گیا ہے۔ چونکہ اَمثال میں معنوی مراد کو مادی اور محسوس شکل میں پیش کیا جاتا ہے، اس لیے اسے سمجھنے میں بہت آسانی پیدا ہو جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کلامِ الٰہی میں بھی جا بجا مثالیں موجود ہیں، اور ان کا مقصود بھی تعلیم و تفہیم ہی بتایا گیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الأَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ﴾ (ابراہیم: ۲۵)۔ ترجمہ: ﴿اور اللہ لوگوں کے لئے مثالیں (اس لئے) بیان کرتے ہیں، تاکہ وہ سمجھیں﴾۔

کلامِ الٰہی کے بعد بلاشبہ عمدہ ترین کلام کلامِ نبوی ﷺ ہے۔ کلامِ نبوی کی خصوصیت یہ ہے کہ اس کے مختصر سے جملہ میں معانی و مفاہیم کا بہت بڑا خزانہ پوشیدہ ہوتا ہے۔ کلامِ نبوی میں بھی کثرت سے مثالیں ملتی ہیں۔ ان مثالوں کی شان یہ ہے کہ وہ مختصر اور جامع ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے موضوع کے بہت مطابق اور موافق ہوتی ہیں۔ جیسا کہ ایک موقع پر بخار کے متعلق نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

«فَإِنَّهَا تُذْهِبُ خَطَايَا بَنِي آدَمَ، كَمَا يُذْهِبُ الْكِيرُ خَبَثَ الْحَدِيدِ».

ترجمہ: «کیوں کہ وہ (بخار) بنی آدم کی خطاؤں کو اس طرح دور کرتا ہے، جس طرح کہ آگ کی بھٹی لوہے کی میل کچیل دور کر دیتی ہے۔» (صحیح مسلم: ۲۵۷۵)۔ یعنی: بخار آگ کی بھٹی کی طرح ہے، اور آدمی کے گناہ لوہے کی میل کچیل کی طرح۔ چنانچہ

جس طرح بھٹی لوہے کی میل کچیل صاف کرتی ہے، اسی طرح بخار آدمی کے گناہ صاف کرتا ہے۔ آپ اس مثال پر غور کیجیے، اس کے بعد بتایئے کہ کیا دنیا کا بڑے سے بڑا فصیح و بلیغ بھی بخار سے گناہ معاف ہونے کی اس سے بہتر کوئی اور مثال پیش کر سکتا ہے؟

اَحادیثِ مبارکہ کے بحرِ ذخار میں اس طرح کی بے شمار مثالیں ملتی ہیں، جن کی مدد سے پیچیدہ سے پیچیدہ موضوع کو واضح کیا گیا ہے۔ یہ مثالیں احادیثِ مبارکہ کی مستند کتابوں میں خوبصورت موتیوں کی طرح بکھری ہوئی پڑی تھیں، جنہیں میں نے چن چن کر جمع کرنا شروع کیا تو سو (۱۰۰) سے زائد مثالوں کا ایک نایاب اور گراں قدر مجموعہ تیار ہو گیا۔

صحتِ احادیث اور ماخذ و مصدر کے متعلق یہ وضاحت ضروری ہے کہ اس کتاب میں نقل کی گئی مثالیں، احادیث کی سات مشہور کتابوں: (۱) صحیح بخاری، (۲) صحیح مسلم، (۳) سُنَن ابو داؤد، (۴) جامع ترمذی، (۵) سنن نسائی، (٦) سنن ابن ماجہ اور (۷) مسند احمد، سے ماخوذ ہیں۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی اَحادیث کی صحت پر تو امت کا اتفاق ہے۔ اور بقیہ پانچ کتابوں سے صرف اُنہی حدیثوں کو نقل کیا گیا ہے جو صحیح یا حسن درجہ کی ہیں۔ چنانچہ صحیحین کے علاوہ جتنی روایتیں ہیں ان کے ماخذ و مصدر کا حوالہ دیتے وقت امام ترمذیؒ، امام حاکمؒ، یا شیخ شعیب الارناؤوطؒ محقق مسند احمد، کا تبصرہ بھی نقل کر دیا گیا ہے۔ تخریج و تحقیق کے بعد، ان مثالوں کو مختلف عنوانات کے تحت تقسیم کیا گیا ہے۔ پھر آسان اردو ترجمہ کرنے کے بعد، ان کی مختصر تشریح کی گئی ہے تاکہ مثال اور ممثّل لہ (مشبّہ اور مشبّہ بہ) کا معنوی اتحاد اور اس کا مقصود و

مفہوم واضح ہو جائے۔

اس کتاب کی تمام خوبیاں صرف اللہ جلَّ شانُہٗ کے فضل و کرم سے ہیں۔ البتہ قارئینِ کرام سے میری مخلصانہ درخواست ہے کہ اگر کہیں کوئی غلطی نظر آئے تو براہِ کرم ضرور مطلع فرمائیں۔ دعا ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالی اس کتاب سے امت کو فائدہ پہنچائیں، اور میرے لیے فلاح دارین کا ذریعہ بنائیں۔ (آمین)

عبدالباسط قاسمی
(انجان شہید، اعظم گڑھ، یوپی (۲۷۶۱۲۵)، انڈیا)

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيْمِ

«الْحَمْدُ لِلَّهِ ، نَحْمَدُهُ، وَنَسْتَعِينُهُ، وَنَسْتَغْفِرُهُ، وَنَعُوذُ بِاللَّهِ مِنْ شُرُورِ أَنْفُسِنَا، وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا، مَنْ يَهْدِهِ اللهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ، وَمَنْ يُضْلِلْ فَلَا هَادِيَ لَهُ، وَأَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ». وَصَلَّى اللهُ عَلَيهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَأَتْبَاعِهِ، وَسَلَّمَ تَسْلِيمًا كَثِيرًا، أَمَّا بَعْدُ:

اسلام وایمان کی مثالیں

١ – عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: « إِنَّ الإِسْلَامَ بَدَأَ غَرِيبًا، وَسَيَعُودُ غَرِيبًا كَمَا بَدَأَ، وَهُوَ يَأْرِزُ بَيْنَ الْمَسْجِدَيْنِ، كَمَا تَأْرِزُ الْحَيَّةُ فِي جُحْرِهَا ». (رَوَاهُ مُسْلِمٌ:١٤٦)

[ترجمہ] حضرت (عبد اللہ) ابن عمر رضی اللہ عنہما نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: «ابتداء میں اسلام اجنبی تھا، اور عنقریب دوبارہ اجنبی ہوجائے گا جیسا کہ وہ ابتداء میں تھا۔ اور وہ اس طرح سمٹ کر دونوں مسجدوں کے درمیان آجائے گا، جس طرح سانپ سمٹ کر اپنے سوراخ میں آجاتا ہے۔» (صحیح مسلم)

[شرح] اسلام اجنبی تھا، کا مطلب یہ ہے کہ اسلام کا آغاز اس حال میں ہوا تھا کہ وہ لوگوں کے درمیان غیر معروف تھا۔ کوئی اس سے واقف نہ تھا۔ جس وقت وہ مکہ سے مدینہ پہنچا اس وقت بھی بہت کم لوگ اس سے واقف تھے، اس کے بعد رفتہ رفتہ ساری دنیا میں معروف و مشہور ہوگیا۔ لیکن پھر ایک وقت ایسا آئے گا کہ وہ دوبارہ ایک محدود دائرے میں سمٹ جائے گا۔ سید الکونین ﷺ نے اس کی یہ مثال دی کہ

جس طرح سانپ ادھر اُدھر گھوم پھر کر واپس اپنے سوراخ میں آجاتا ہے، اسی طرح اسلام بھی اطرافِ دنیا سے سمٹ کر مسجدِ حرام اور مسجدِ نبوی کے درمیان آکر رہ جائے گا۔ ایک دوسری حدیث میں "اسلام" کے بجائے "ایمان" کا لفظ آیا ہے کہ: «ایمان اس طرح سمٹ کر مدینہ طیبہ میں آجائے گا، جس طرح سانپ اپنے بل میں سمٹ آتا ہے۔» (صحیح بخاری:۱۸۷۶)۔ ایمان سے عموماً قلبی تصدیق اور اسلام سے ظاہری اعمال مراد ہوتے ہیں، اور ان دونوں میں وہی فرق ہے جو ایک درخت اور اس کے پھل میں ہے کہ ایمان درخت کی طرح ہے، تو اسلام یعنی اعمال اس درخت کے پھل کی طرح ہیں۔ حدیثِ پاک میں ایمان واسلام کی مثال سانپ سے اس لئے دی گئی ہے کہ دوسرے جانوروں کے مقابلہ میں سانپ اپنی جان بچانے کے لیے بہت تیزی سے اپنی بل کی طرف بھاگتا ہے۔ ایسے ہی آخر زمانہ میں جب مسلمان اس دنیا میں بہت کم رہ جائیں گے تو وہ مسلمان بھی اپنا ایمان و اسلام بچانے کے لیے اطرافِ دنیا سے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کر جائیں گے۔

*****

٢ – عَنْ حُذَيْفَةَ بْنِ الْيَمَانِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: « يَدْرُسُ الْإِسْلَامُ كَمَا يَدْرُسُ وَشْيُ الثَّوْبِ، حَتَّى لَا يُدْرَى مَا صِيَامٌ، وَلَا صَلَاةٌ، وَلَا نُسُكٌ، وَلَا صَدَقَةٌ، وَلَيُسْرَى عَلَى كِتَابِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ فِي لَيْلَةٍ، فَلَا يَبْقَى فِي الْأَرْضِ مِنْهُ آيَةٌ، وَتَبْقَى طَوَائِفُ مِنَ النَّاسِ الشَّيْخُ الْكَبِيرُ وَالْعَجُوزُ، يَقُولُونَ: أَدْرَكْنَا آبَاءَنَا عَلَى هَذِهِ الْكَلِمَةِ، لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ، فَنَحْنُ نَقُولُهَا». (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَهْ:٤٠٤٩، وَقَالَ البُوصِيرِي فِي "مِصْبَاح الزُّجَاجَة فِي زَوَائِدِ ابْنِ مَاجَهْ":

إِسْنَادُه صَحِيحٌ رِجَالُه ثِقَاتٌ، وَالْحَاكِمُ:٨٦٣٦، وَقَالَ: حَدِيثٌ صَحِيحٌ عَلَى شَرْطِ مُسْلِمٍ)

[ترجمہ] حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «اسلام اس طرح مٹ جائیگا جس طرح کپڑے کا نقش و نگار مٹ جاتا ہے، یہاں تک کہ یہ بھی علم نہ رہے گا کہ روزہ، نماز، قربانی اور صدقہ کیا چیز ہے؟ اور اللہ عزّ وجلّ کی کتاب پر ایک رات ایسی آئے گی کہ زمین پر اسکی ایک آیت بھی باقی نہ رہے گی۔ اور لوگوں کے طبقوں میں کچھ بوڑھے مرد وعورت ایسے رہ جائیں گے جو کہیں گے کہ ہم نے اپنے آباء واجداد کو اس کلمہ "لاالہ الااللہ" پر پایا تھا اس لئے ہم بھی اسے پڑھ لیتے ہیں۔» (سنن ابن ماجہ، مستدرک حاکم)

[شرح] مطلب یہ ہے کہ جس طرح کپڑا استعمال کرنے سے پرانا ہو جاتا ہے اور اس کے نقش و نگار گھس کر مٹ جاتے ہیں، آخر میں برائے نام کپڑا رہ جاتا ہے، اسی طرح اسلام پر ایک ایسا وقت آئے گا کہ اس کے ظاہری اعمال جیسے نماز، روزہ، قربانی اور صدقہ وغیرہ سب ختم ہو جائیں گے، اورآخر میں صرف ایمان یعنی کلمہء طیبہ "لا الہ الا اللہ" کچھ بوڑھے لوگوں کے دلوں میں رہ جائے گا۔ چنانچہ وہ لوگ اپنے ایمان کا اظہار یہ کہہ کر کریں گے کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو اس کلمہ پر پایا تھا، اس لیے ہم بھی اسے کہتے اور پڑھتے ہیں۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے شاگرد حضرت صِلہ رحمۃ اللہ علیہ نے عرض کیا: جب انہیں نماز، روزہ، قربانی اور صدقہ وغیرہ کا کوئی علم ہی نہ ہوگا تو صرف کلمہ "لاالہ الااللہ" انہیں کیا فائدہ دے گا؟ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "اے صِلہ! یہ کلمہ "لا الہ الا اللہ" ایک نہ ایک دن

انہیں دوزخ سے ضرور نجات دلائے گا۔" معلوم ہوا کہ بے عملی اور معصیت سے مؤمن کافر تو نہیں ہوتا، مگر کچھ عرصہ کے لیے جہنم میں جاسکتاہے۔ اس لیے جہنم سے مکمل نجات حاصل کرنے کے لیے اعمالِ صالحہ کا ہونا بھی ضروری ہے، اور مرتے دم تک ہمارے دل میں ایمان باقی اور تر و تازہ رہے، اس کے لیے دعاء بھی کرتے رہنا چاہیے، جیسا کہ حدیثِ پاک میں ہے: «ایمان تمہارے دلوں میں اس طرح پرانا ہو جاتا ہے، جس طرح کپڑا پرانا ہو جاتاہے، اس لیے اللہ سبحانہ وتعالی سے دعا کرتے رہو کہ وہ تمہارے دلوں میں ایمان تازہ رکھیں۔» (مستدرک حاکم: ۵)

*****

٣- عَنِ النَّوَّاسِ بْنِ سَمْعَانَ الْكِلاَبِي رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: « إِنَّ اللهَ ضَرَبَ مَثَلاً صِرَاطًا مُسْتَقِيمًا، عَلَى كَنَفي الصِّرَاطِ زَوْرَانِ، لَهُمَا أَبْوَابٌ مُفَتَّحَةٌ، عَلَى الأَبْوَابِ سُتُورٌ، وَدَاعٍ يَدْعُو عَلَى رَأْسِ الصِّرَاطِ، وَدَاعٍ يَدْعُو فَوْقَهُ، ﴿وَاللهُ يَدْعُو إِلَى دَارِ السَّلاَمِ وَيَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ﴾ (يونس: ٢٥) وَالأَبْوَابُ الَّتِي عَلَى كَنَفَي الصِّرَاطِ حُدُودُ اللهِ، فَلاَ يَقَعُ أَحَدٌ فِي حُدُودِ اللهِ حَتَّى يُكْشَفَ السِّتْرُ، وَالَّذِي يَدْعُو مِنْ فَوْقِهِ وَاعِظُ رَبِّهِ ». (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ: ٢٨٥٩، وقال: حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ، وَأَحْمَدُ: ١٧٦٣٤، وَقَالَ شُعَيْب الأَرْنَؤوط: حَدِيْثٌ صَحِيْحٌ، وَالْحَاكِمُ: ٢٤٥، وَقَالَ: حَدِيثٌ صَحِيحٌ عَلَى شَرْطِ مُسْلِمٍ)

[ترجمہ] حضرت نواس بن سمعان کلابی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «بیشک اللہ نے صراطِ مستقیم کی ایک مثال بیان فرمائی ہے

کہ اس راستہ کے دونوں جانب دیواریں ہیں۔ ان دیواروں میں کھلے ہوئے دروازے ہیں۔ ان دروازوں پر پردے ہیں۔ اور ایک داعی راستہ کے سرے پر کھڑا ہو کر بلا رہا ہے، اور دوسرا اس کے اوپر سے بلا رہا ہے کہ ﴿اللہ جنت کی طرف بلاتا ہے اور وہ جس کو چاہتا ہے راہِ راست پر چلنے کی توفیق دیتا ہے﴾ (یونس: ۲۵)۔ اور وہ دروازے جو راستہ کے دونوں جانب ہیں اللہ کی حَدَیں ہیں۔ اور اللہ کی حَدوں میں اس وقت تک کوئی نہیں پڑ سکتا جب تک کہ وہ پردہ نہ اٹھائے۔ اور جو اس کے اوپر سے بلا رہا تھا وہ اللہ کی طرف سے نصیحت کرنے والا ہے۔» (جامع ترمذی، مسند احمد، مستدرک حاکم)

[شرح] اس حدیث میں صراطِ مستقیم سے مراد اسلام ہے، یعنی اسلام کی مثال ایسی ہے جیسے ایک ایسا سیدھا راستہ جو آدمی کو منزلِ مقصود تک پہنچانے والا ہو، اسی طرح اسلام لوگوں کو جنت تک پہنچانے والا ہے۔ اسلام میں بعض چیزیں حرام اور ناجائز ہیں اور ان کی حدیں قائم ہیں۔ انہیں حرام اور ناجائز چیزوں کی حدوں کو حدیثِ پاک میں راستہ کے دونوں جانب کی دیواروں، دروازوں اور پردوں سے تشبیہ دی گئی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جو شخص حرام اور ناجائز کاموں کا ارتکاب کرتا ہے، وہ اسلامی راستہ سے ہٹ جاتا ہے اور اس کی حدوں کو توڑ ڈالتا ہے۔ اس لیے وہ اللہ تبَارکَ وتَعالیٰ کی نگاہ میں اسلام مخالف مجرم بن جاتا ہے۔ اور جو شخص اپنے آپ کو حرام اور ناجائز چیزوں سے بچاتا ہے، اور اللہ تبَارکَ وتَعالیٰ کے فضل و کرم اور اس کی توفیق سے اسلام کے بتائے ہوئے سیدھے راستہ پر چلتا رہتا ہے تو وہ شخص جنت تک پہنچ جاتا ہے۔

*****

٤ – عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «ثَلاَثٌ مَنْ كُنَّ فِيهِ وَجَدَ حَلاَوَةَ الإِيمَانِ: أَنْ يَكُونَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِمَّا سِوَاهُمَا، وَأَنْ يُحِبَّ المَرْءَ لاَ يُحِبُّهُ إِلَّا لِلَّهِ، وَأَنْ يَكْرَهَ أَنْ يَعُودَ فِي الكُفْرِ كَمَا يَكْرَهُ أَنْ يُقْذَفَ فِي النَّارِ». (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ:١٦، وَمُسْلِمٌ:٤٣، والتِّرْمِذِيُّ:٢٦٢٤، وَالنَّسَائِيُّ:٤٩٨٩، وابْنُ مَاجَهْ:٤٠٣٣، وَأَحْمَدُ:١٢٠٠٢)

[ترجمہ] حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ، نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: «جس شخص میں تین باتیں ہونگی وہ ایمان کا ذائقہ پالے گا۔ (۱) اس کے نزدیک، اللہ اور ان کے رسول سب سے زیادہ محبوب ہوں۔ (۲) اور وہ جس شخص سے بھی محبت کرے تو صرف اللہ ہی کے لیے کرے۔ (۳) اور کفر کی طرف لوٹنے کو ایسا برا سمجھے، جیسے آگ میں ڈالے جانے کو برا سمجھتا ہے۔»
(صحیح بخاری، صحیح مسلم، جامع ترمذی، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ، مسند احمد)

[شرح] جس شخص میں یہ تین خصلتیں ہوں گی وہ ایمانِ کامل کی لذت اور اس کی مٹھاس سے لطف اندوز ہوگا۔ اول یہ کہ وہ شخص اللہ تعالی اور ان کے رسول حضرت محمد ﷺ سے محبت دنیا کے تمام لوگوں اور دنیا کی تمام چیزوں سے زیادہ رکھے۔ دوسری یہ کہ وہ کسی سے دوستی کرے، یا کسی سے دشمنی رکھے، تو یہ دوستی اور دشمنی محض اللہ تعالی کی رضا اور صرف ان کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے ہو۔ تیسری یہ کہ جب اللہ تعالی نے اسے اسلام وایمان کی دولت سے نواز دیا ہے، اور کفر وشرک سے نجات دے دی ہے، تو اب کفر وشرک کرنا اور اس میں پڑنا اپنے لیے اسی طرح برا سمجھے، جس طرح کہ آگ میں جانا اور اس میں جلنا اپنے لیے برا سمجھتا ہے۔

اور حقیقت بھی یہی ہے کہ کفر وشرک کا مرتکب قیامت کے روز جہنم کی آگ میں جلے گا۔ اس لیے ایمان واسلام کی روشنی میں آجانے کے بعد، کفر وشرک کو اپنے لیے آگ کی طرح خطرناک سمجھنا چاہیے۔

*****

٥ - عَنْ عُمَرَ بْنِ الخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «لَوْ أَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَوَكَّلُونَ عَلَى اللَّهِ حَقَّ تَوَكُّلِهِ لَرُزِقْتُمْ كَمَا يُرْزَقُ الطَّيْرُ تَغْدُو خِمَاصًا وَتَرُوحُ بِطَانًا». (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ:٢٣٤٤، وَقَالَ: حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ، وَأَحْمَدُ:٢٠٥، وَقَالَ شُعَيْب الأَرْنَؤوط: إِسْنَادُهُ قَوِيٌّ، وَالْحَاكِمُ: ٧٨٩٤، وَقَالَ: حَدِيثٌ صَحِيحُ الْإِسْنَادِ)

[ترجمہ] حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «اگر تم لوگ اللہ پر اس طرح توکل کرو، جس طرح کہ ان پر توکل کرنے کا حق ہے، تو تمہیں اس طرح روزی دی جائے گی، جس طرح پرندوں کو دی جاتی ہے۔ (پرندے) صبح کو خالی پیٹ نکلتے ہیں اور شام کو پیٹ بھر کر واپس آتے ہیں۔» (جامع ترمذی، مسند احمد، مستدرک حاکم)

[شرح] جو شخص صدقِ دل کے ساتھ یہ ایمان و اعتقاد رکھے کہ اللہ تعالی ہی سارے جہانوں کے پرورد گار ہیں، اور پختہ یقین کے ساتھ صرف انہی پر توکل کرے، جیسا کہ ان پر توکل کرنے کا حق ہے، یعنی اپنی تدبیر اور اپنے اسباب کو بالکل مؤثر نہ سمجھے تو اللہ تعالی اس شخص کو ایسی جگہ سے رزق دیں گے جہاں سے اسے ملنے کا وہم و گمان بھی نہ ہوگا، اور اس طرح دیں گے جیسے پرندوں کو دیتے ہیں کہ پرندے

جب اللہ پر اعتماد کر کے صبح خالی پیٹ اپنے گھونسلوں سے نکلتے ہیں تو شام کو بھرے پیٹ واپس آتے ہیں۔ اسلام میں "توکل" یہ نہیں ہے کہ آدمی اسباب کا استعمال بھی ترک کردے، کسب و عمل بھی چھوڑ دے، کہیں دور دراز جاکر رہبانیت اختیار کرلے، یا اپاہج ومعذور بن کر گھر میں بیٹھ رہے۔ ایسا کام تو پرندے بھی نہیں کرتے، بلکہ وہ بھی رزق کی تلاش میں صبح صبح اپنے گھونسلوں سے ضرور نکلتے ہیں، پھر دن بھر یہاں وہاں اڑتے پھرتے ہیں، حالانکہ ان کا توکل "مثالی توکل" ہے۔ معلوم ہوا کہ "توکل" کا تعلق دل کی دنیا سے ہے اور دل ہی اس کا اصل مقام ہے۔ اس لیے حصولِ معاش کے لیے ہاتھ پیر مارنا، جدوجہد کرنا، مناسب اور حلال اسباب اختیار کرنا توکل کے منافی نہیں ہے، بشرطیکہ دل میں یہ ایمان ویقین ہو کہ ہر چیز کو عدم سے وجود دینے والے اللہ تعالیٰ ہیں۔ زمین وآسمان میں جو کچھ ہے سب کے مالک بھی وہی ہیں۔ دنیا کے تمام اسباب و وسائل بھی انہی کے قبضہء قدرت میں ہیں۔ بلاشک وشبہ سب کو روزی بھی وہی عطا کرتے ہیں۔ اور وہ جو چاہتے ہیں وہی ہوتا ہے۔

*****

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مثالیں

٦- عَنْ قَبِيصَةَ بْنِ الْمُخَارِقِ وَزُهَيْرِ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالاَ: لَمَّا نَزَلَتْ: ﴿وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الأَقْرَبِينَ﴾ قَالَ: انْطَلَقَ نَبِيُّ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى رَضْمَةٍ مِنْ جَبَلٍ، فَعَلاَ أَعْلاَهَا حَجَرًا، ثُمَّ نَادَى: «يَا بَنِي عَبْدِ مَنَافَاهْ، إِنِّي نَذِيرٌ، إِنَّمَا مَثَلِي وَمَثَلُكُمْ، كَمَثَلِ رَجُلٍ رَأَى الْعَدُوَّ، فَانْطَلَقَ يَرْبَأُ أَهْلَهُ، فَخَشِيَ أَنْ يَسْبِقُوهُ، فَجَعَلَ يَهْتِفُ: يَا صَبَاحَاهْ». (رَوَاهُ مُسْلِمٌ:٢٠٧،

وَأَحْمَدُ: ١٥٩١٤)

[ترجمہ] حضرت قبیصہ بن مخارق اور حضرت زھیر بن عمرو رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی: ﴿آپ اپنے قریبی رشتہ والوں کو ڈرائیے﴾ (الشعراء: ٢١٤)۔ وہ کہتے ہیں کہ اللہ کے نبی ﷺ پہاڑ کی چوٹی پر تشریف لے گئے اور اس کے سب سے اونچے پتھر پر چڑھ گئے، پھر آواز لگائی: «اے بنی عبد مناف! میں (تمھیں سخت عذاب سے) ڈرا رہا ہوں۔ میری اور تمہاری مثال اس آدمی کی طرح ہے جس نے دشمن کو دیکھا، تو اپنے گھر والوں کو بچانے کے لیے چل پڑا۔ پھر اسے اندیشہ ہوا کہ کہیں دشمن اس سے پہلے ہی نہ پہنچ جائیں، تو اس نے (وہیں سے) آواز لگانی شروع کردی: یا صباحاہ! (آگاہ اور خبردار ہوجاؤ!)۔» (صحیح مسلم، مسند احمد)

[شرح] سرکارِ دوعالم ﷺ کا سلسلہء نسب اس طرح ہے: "محمد بن عبداللہ بن عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف" قرآنِ کریم میں جب آپ ﷺ کو یہ حکم دیا گیا کہ ﴿آپ اپنے قریبی رشتہ والوں کو ڈرائیے﴾ تو آپ ﷺ کوہِ صفا پر کھڑے ہوئے اور یہ آواز لگائی: "یا صباحاہ! یا بنی عبد منافاہ!" اہلِ عرب دشمن وغیرہ کے خطرے سے آگاہ کرنے کے لیے "یا صباحاہ" کا لفظ استعمال کرتے تھے۔ یعنی اے عبد مناف کے بیٹو! خبردار ہوجاؤ! رحمتِ دوعالم ﷺ کی یہ آواز سن کر آپ کے قبیلہ کے لوگ جمع ہوگئے۔ آپ ﷺ نے ان کے سامنے اپنی اور اپنے قبیلہ والوں کی ایک مثال رکھی کہ جیسے کسی آدمی نے دشمنوں کا لشکر آتے دیکھا، تو وہ اپنے خاندان والوں کو بچانے کے لئے چینخ چینخ کر کہنے لگا کہ اے میرے گھر والو! دشمنوں کا لشکر تم پر حملہ آور ہونا چاہتا ہے، اس لئے جلدی سے تم لوگ اپنے بچاؤ کا سامان کرلو، تاکہ

دشمنوں سے بچ جاؤ۔ اسی آدمی کی طرح، میں بھی تمہیں خبردار کررہاہوں، اے عبد مناف کے بیٹو!، کہ عذابِ الٰہی تم پر آنا ہی چاہتاہے، اس لئے جلدی سے تم لوگ اللہ عزّوجلّ پر ایمان لاؤ اور میری رسالت کا اقرار کرو، تاکہ تم لوگ عذابِ الٰہی سے بچ جاؤ۔ ابولہب، جو آپ ﷺ کا حقیقی چچا تھا، آپ ﷺ کی یہ بات سن کر بولا: " سارے دن تیرے لیے تباہی ہو۔ کیا تو نے ہمیں اسی لیے جمع کیا تھا؟" اس پر ﴿تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ وَتَبَّ مَا أَغْنَى عَنْهُ مَالُهُ وَمَا كَسَبَ﴾ نازل ہوئی (صحیح بخاری: ۴۷۷۰)۔ یعنی: ﴿ابو لہب کے دونوں ہاتھ تباہ ہوں اور وہ ہلاک ہو، نہ اس کا مال اس کے کام آیا اور نہ جو کچھ اس نے کمایا تھا﴾۔ چنانچہ یہی ہوا بھی کہ وہ عذابِ الٰہی سے نہ بچ سکا۔

*****

٧- عَنْ أَبِي مُوسَى رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِي صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: « إِنَّمَا مَثَلِي وَمَثَلُ مَا بَعَثَنِي اللهُ بِهِ، كَمَثَلِ رَجُلٍ أَتَى قَوْمًا، فَقَالَ: يَا قَوْمِ إِنِّي رَأَيْتُ الْجَيْشَ بِعَيْنَيَّ، وَإِنِّي أَنَا النَّذِيرُ الْعُرْيَانُ، فَالنَّجَاءَ. فَأَطَاعَهُ طَائِفَةٌ مِنْ قَوْمِهِ، فَأَدْلَجُوا، فَانْطَلَقُوا عَلَى مَهَلِهِمْ، فَنَجَوْا، وَكَذَّبَتْ طَائِفَةٌ مِنْهُمْ، فَأَصْبَحُوا مَكَانَهُمْ، فَصَبَّحَهُمُ الْجَيْشُ، فَأَهْلَكَهُمْ وَاجْتَاحَهُمْ، فَذَلِكَ مَثَلُ مَنْ أَطَاعَنِي، فَاتَّبَعَ مَا جِئْتُ بِهِ، وَمَثَلُ مَنْ عَصَانِي، وَكَذَّبَ بِمَا جِئْتُ بِهِ مِنَ الْحَقِّ ». (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ: ٧٢٨٣، وَمُسْلِمٌ: ٢٢٨٣)

[ترجمہ] حضرت ابو موسی (اشعری) رضی اللہ عنہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: « میری اور اس (دین) کی مثال جو اللہ نے مجھے دیکر بھیجاہے اس شخص کی طرح ہے جو (اپنی) قوم کے پاس آیا اور کہا: اے میری

قوم! میں نے اپنی آنکھوں سے (دشمنوں کا) لشکر دیکھا ہے، اور میں ایک سچا ڈرانے والا ہوں، لہٰذا نجات کی راہ تلاش کرلو۔ اس کی قوم کے بعض لوگوں نے اس کا کہا مان لیا، اور راتوں ہی رات نکل پڑے، خراماں خراماں چلتے رہے، یہاں تک کہ نجات پالی۔ اور ان میں بعض لوگوں نے جھوٹ مانا، اور صبح تک اپنی جگہ پڑے رہے۔ (دشمنوں کا) لشکر صبح ہوتے ہی ان پر حملہ آور ہوا اور انہیں تباہ وبرباد کر ڈالا۔ پس یہی مثال ہے اس شخص کی جس نے میری بات مان لی، اور میں جو (دین) لے کر آیا ہوں، اس کی پیروی کی (تو وہ نجات پالیا)۔ اور مثال ہے اس شخص کی جس نے میری بات نہ مانی، اور جو میں (دینِ) حق لے کر آیا ہوں، اسے جھٹلایا (تو وہ ہلاک ہوگیا)۔» (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

[شرح] اس حدیث میں رحمتِ دوعالم ﷺ دنیا کے تمام انسانوں کو یہ بات سمجھا رہے ہیں کہ جس طرح ایک سچا آدمی دشمنوں کا لشکر دیکھ کر اپنی قوم کو ان کے حملوں سے آگاہ کرتا ہے کہ اے میرے بھائیو! نجات کی راہ تلاش کرو، ورنہ دشمن تمہیں تباہ وبرباد کردے گا۔ چنانچہ کچھ لوگ اسے سچ مان کر راہِ نجات اختیار کرلیتے ہیں تو وہ بچ جاتے ہیں۔ اور کچھ لوگ اسے جھوٹا سمجھ کر اپنے گھروں میں ہی پڑے رہتے ہیں۔ چنانچہ دشمنوں کا لشکر آکر انہیں تباہ وبرباد کردیتا ہے۔ اسی طرح میں بھی تمہیں عذابِ الٰہی کے خطرہ سے آگاہ کر رہا ہوں، لہٰذا قبل اس کے کہ وہ عذاب تم پر نازل ہو، اگر تم لوگ میری بات مان لو، مجھ پر ایمان لاؤ اور دینِ اسلام قبول کرلو تو دنیا وآخرت میں عذابِ الٰہی سے بچ جاؤگے، ورنہ تم پر عذاب کا آنا یقینی ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اب دنیا کے سارے انسانوں کی نجات رحمتِ دوعالم ﷺ

کو سچ ماننے اور دینِ اسلام کو قبول کر لینے میں ہے، خواہ وہ اہلِ کتاب ہی کیوں نہ ہوں، ورنہ ہلاکت یقینی ہے۔ جیسا کہ ایک دوسری حدیث میں رحمتِ دوعالم ﷺ نے فرمایا: «اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے اس امت کا جو آدمی، خواہ یہودی ہو یا نصرانی، میری (خبر) سنے، اور اس (دین) پر جس کے ساتھ میں بھیجا گیا ہوں ایمان لائے بغیر مر جائے تو وہ جہنمیوں میں سے ہوگا۔» (صحیح مسلم: ۱۵۳)۔

*****

٨- عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: «إِنَّمَا مَثَلِي وَمَثَلُ النَّاسِ كَمَثَلِ رَجُلٍ اسْتَوْقَدَ نَارًا، فَلَمَّا أَضَاءَتْ مَا حَوْلَهُ جَعَلَ الفَرَاشُ وَهَذِهِ الدَّوَابُّ الَّتِي تَقَعُ فِي النَّارِ يَقَعْنَ فِيهَا، فَجَعَلَ يَنْزِعُهُنَّ وَيَغْلِبْنَهُ فَيَقْتَحِمْنَ فِيهَا، فَأَنَا آخُذُ بِحُجَزِكُمْ عَنِ النَّارِ، وَهُمْ يَقْتَحِمُونَ فِيهَا» (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ:٦٤٨٣، وَمُسْلِمٌ: ٢٢٨٤، وَالتِّرْمِذِيُّ:٢٨٧٤، وَأَحْمَدُ:٧٣٢١)

[ترجمہ] حضرت ابوهریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ: «میری مثال اور لوگوں کی مثال اس آدمی کی سی ہے جس نے آگ جلائی۔ جب اس کے ارد گرد روشنی پھیل گئی تو پروانے اور ایسے کیڑے جو آگ میں گرتے ہیں، اس میں آکر گرنے لگیں۔ تو وہ آدمی ان (پروانوں اور کیڑوں) کو (آگ سے دور) کھینچ رہا ہو، اور وہ سب ہیں کہ اس پر غالب آکر اس میں گرتے جارہے ہیں۔ اسی طرح میں بھی تمہیں کمر سے پکڑ پکڑ کر جہنم کی آگ سے بچا رہا ہوں، اور لوگوں کا حال یہ ہے کہ اس میں گرتے جارہے ہیں۔» (صحیح بخاری، صحیح مسلم، جامع ترمذی، مسند احمد)

[شرح] اس حدیث میں نبیِ رحمت ﷺ کو انسانیت سے جو ہمدردی تھی اس کی ایک بہترین مثال ہے کہ آپ ﷺ تو اپنی امت کو جہنم کی آگ سے بچانے کی ہر ممکن کوشش کر رہے ہیں۔ اور انہیں ان تمام برے کاموں سے منع کر رہے ہیں جو جہنم میں لے جانے والے ہیں۔ اس کے باوجود بعض لوگوں کا حال یہ ہے کہ وہ آپ کی نافرمانی کر کے خود کو جہنم کی آگ میں جھونک رہے ہیں۔ اس سلسلہ میں آپ ﷺ کی مثال اس شخص جیسی ہے جو پروانوں اور پتنگوں کو آگ میں گرنے سے بچا رہا ہو، اور نافرمانی کرنے والوں کی مثال ان پروانوں اور پتنگوں جیسی ہے جو اس آگ میں آآ کر جل رہے ہوں۔

*****

٩ – عن جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، يَقُولُ: جَاءَتْ مَلاَئِكَةٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَهُوَ نَائِمٌ، فَقَالَ بَعْضُهُمْ: إِنَّهُ نَائِمٌ، وَقَالَ بَعْضُهُمْ: إِنَّ الْعَيْنَ نَائِمَةٌ، وَالْقَلْبَ يَقْظَانُ، فَقَالُوا: إِنَّ لِصَاحِبِكُمْ هَذَا مَثَلاً، فَاضْرِبُوا لَهُ مَثَلاً، فَقَالَ بَعْضُهُمْ: إِنَّهُ نَائِمٌ، وَقَالَ بَعْضُهُمْ: إِنَّ الْعَيْنَ نَائِمَةٌ، وَالْقَلْبَ يَقْظَانُ، فَقَالُوا: مَثَلُهُ كَمَثَلِ رَجُلٍ بَنَى دَارًا، وَجَعَلَ فِيهَا مَأْدُبَةً، وَبَعَثَ دَاعِيًا، فَمَنْ أَجَابَ الدَّاعِيَ دَخَلَ الدَّارَ، وَأَكَلَ مِنْ الْمَأْدُبَةِ، وَمَنْ لَمْ يُجِبِ الدَّاعِيَ، لَمْ يَدْخُلِ الدَّارَ، وَلَمْ يَأْكُلْ مِنَ الْمَأْدُبَةِ، فَقَالُوا: أَوِّلُوهَا لَهُ يَفْقَهْهَا، فَقَالَ بَعْضُهُمْ: إِنَّهُ نَائِمٌ، وَقَالَ بَعْضُهُمْ: إِنَّ الْعَيْنَ نَائِمَةٌ، وَالْقَلْبَ يَقْظَانُ، فَقَالُوا: فَالدَّارُ الْجَنَّةُ، وَالدَّاعِي مُحَمَّدٌ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَمَنْ أَطَاعَ مُحَمَّدًا صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَدْ أَطَاعَ اللهَ، وَمَنْ عَصَى مُحَمَّدًا صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَدْ عَصَى اللهَ، وَمُحَمَّدٌ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرْقٌ بَيْنَ النَّاسِ. (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ:٧٢٨١،

وَالتِّرْمِذِيُّ: ٢٨٦٠)

[ترجمہ] حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ کچھ فرشتے نبی ﷺ کے پاس اس وقت آئے جب آپ سو رہے تھے۔ بعض نے کہا کہ آپ سو رہے ہیں! اور بعض نے کہا کہ آنکھیں سو رہی ہیں، لیکن دل بیدار ہے۔ پھر انہوں نے کہا: تمہارے اس حضرت ﷺ کی ایک مثال ہے اسے بیان کرو۔ بعض نے کہا کہ آپ سو رہے ہیں! اور بعض نے کہا کہ آنکھیں سو رہی ہیں، لیکن دل بیدار ہے۔ پھر ان فرشتوں نے کہا: آپ ﷺ کی مثال ایسی ہے جیسے کسی آدمی نے مکان بنایا۔ اس میں کھانے کا دستر خوان چنا۔ پھر دعوت دینے کے لیےایک آدمی بھیجا۔ لہٰذا جس نے دعوت دینے والے کی دعوت قبول کی، وہ مکان میں داخل ہوا اور دستر خوان سے کھانا کھایا۔ اور جس نے دعوت قبول نہ کی وہ نہ مکان میں داخل ہوا اور نہ ہی دستر خوان سے کھایا۔ پھر ان فرشتوں نے (آپس میں) کہا: اس مثال کی وضاحت کر و تاکہ حضرت ﷺ اسے سمجھ لیں۔ بعض نے کہا کہ آپ سو رہے ہیں! اور بعض نے کہا کہ آنکھیں سو رہی ہیں، لیکن دل بیدار ہے۔ پھر انہوں نے بیان کیا کہ وہ مکان تو جنت ہے، اور دعوت دینے والے حضرت محمد ﷺ ہیں۔ چنانچہ جس نے حضرت محمد ﷺ کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔ اور جس نے حضرت محمد ﷺ کی نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی۔ حضرت محمد ﷺ نے لوگوں کی دو قسمیں بنادیں۔ (صحیح بخاری، جامع ترمذی)

[شرح] مثال کی وضاحت حدیثِ پاک میں موجود ہے۔ حاصل یہ ہے کہ جس طرح ایک آدمی لوگوں کو دستر خوان پر کھانے کے لیے بلاتا ہے، اسی طرح اللہ

تعالی کے سچے رسول حضرت محمد ﷺ لوگوں کو جنت اور اس کی نعمتوں کی طرف بلاتے ہیں۔ لہٰذا جو شخص حضرت محمد ﷺ کی دعوت پر لبیک کہے گا، وہ جنت اور اس کی نعمتوں کا مستحق ہوگا۔ اور جو شخص آپ ﷺ کی دعوت کا انکار کرے گا، وہ جہنم اور اس کے سخت عذاب کا مستحق ہوگا، کیوں کہ آپ ﷺ کی اطاعت اللہ تعالی کی اطاعت ہے، اور آپ ﷺ کی نافرمانی اللہ تعالی کی نافرمانی ہے۔

*****

١٠ - عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: « إِنَّ مَثَلِي وَمَثَلَ الأَنْبِيَاءِ مِنْ قَبْلِي كَمَثَلِ رَجُلٍ بَنَى بَيْتًا، فَأَحْسَنَهُ وَأَجْمَلَهُ، إِلاَّ مَوْضِعَ لَبِنَةٍ مِنْ زَاوِيَةٍ، فَجَعَلَ النَّاسُ يَطُوفُونَ بِهِ، وَيَعْجَبُونَ لَهُ، وَيَقُولُونَ: هَلاَّ وُضِعَتْ هَذِهِ اللَّبِنَةُ؟». قَالَ: «فَأَنَا اللَّبِنَةُ، وَأَنَا خَاتِمُ النَّبِيِّينَ ». (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ: ٣٥٣٥، وَمُسْلِمٌ: ٢٢٨٦، وَأَحْمَدُ: ٩١٦٧)

[ترجمہ] حضرت ابو ھریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: « میری مثال اور مجھ سے پہلے پیغمبروں کی مثال ایسی ہے جیسے کسی آدمی نے ایک مکان بنایا، اور اسے بہت عمدہ اور خوبصورت بنایا، مگر کسی کونے میں ایک اینٹ کی جگہ خالی چھوڑ دی۔ لوگ اس کے چاروں طرف گھومتے ہیں تو اس کی عمدگی پر تعجب کرتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ یہ ایک اینٹ کیوں نہ لگائی گئی!؟۔» آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ: «وہ اینٹ میں ہی ہوں، اور میں خاتم النبیین ہوں۔» (صحیح بخاری، صحیح مسلم، مسند احمد)

[شرح] اللہ رب العزت کی جانب سے انبیاءِ کرام علیہم الصلاۃ والسلام کی آمد

کا جو سلسلہ حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہوا تھا، وہ سلسلہ حضرت محمد ﷺ پر آکر ختم ہوگیا، اور اس پر قیامت تک کے لیےآخری مہر لگ گئی۔ قرآنِ کریم نے سورۃ الاحزاب،آیت نمبر۴۰ میں حضرت محمد ﷺ کو "خاتم النبیین" کے لقب سے یاد کیاہے۔ اور ایک حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا: «میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔» (صحیح بخاری: ۳۴۵۵)۔ اس سلسلہء نبوت اور ختمِ نبوت کو رحمتِ دوعالم ﷺ نے ایک مثال کے ذریعہ سمجھایا کہ پہلے انبیاء ورسل علیہم الصلاۃ والسلام کی آمد کا سلسلہ اور ان کے ذریعہ دین وشریعت کا بننا ایسا تھا جیساکہ ایک شاندار اور عالیشان محل کا تعمیر ہونا۔ وہ محل بنتے بنتے پایہء تکمیل تک پہنچ چکا تھا، البتہ سب سے آخری اینٹ لگانے کی ضرورت باقی تھی، اس آخری اینٹ کے نہ لگنے سے وہ محل ناقص سا معلوم ہوتا تھا۔ چنانچہ زائرین جب اس محل کی خوبصورتی اور عمدگی دیکھتے تو تعجب سے کہتے کہ یہ آخری اینٹ بھی لگادی جاتی تو اس محل کی تعمیر بھی مکمل ہوجاتی، اور اس کا نقص بھی ختم ہوجاتا! ؟ رسولِ دوعالم ﷺ نے فرمایا: «وہ آخری اینٹ میں ہی ہوں، اور میں خاتم النبیین ہوں۔» یعنی آپ ﷺ کے ذریعہ دین کا جو محل ناقص تھا، وہ بالکل مکمل ہوگیا، اس لئے آپ کے بعد کسی اور نبی کے آنے کی ضرورت ہی نہیں رہی۔

*****

١١- عَنْ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، قَالَ: نَامَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى حَصِيرٍ، فَقَامَ وَقَدْ أَثَّرَ فِي جَنْبِهِ، فَقُلْنَا: يَا رَسُولَ اللهِ! لَوِ اتَّخَذْنَا لَكَ وِطَاءً، فَقَالَ: «مَا لِي وَلِلدُّنْيَا، مَا أَنَا فِي الدُّنْيَا إِلَّا كَرَاكِبٍ اسْتَظَلَّ تَحْتَ شَجَرَةٍ، ثُمَّ رَاحَ وَتَرَكَهَا». (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ:٢٣٧٧، وقَالَ: حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ، وابْنُ

مَاجَهْ:٤١٠٩، وَأَحْمَدُ:٣٧٠٩، وَقَالَ شُعَيْب الأَرْنَؤوط: حَدِيْثٌ صَحِيْحٌ)

[ترجمہ] حضرت عبد اللہ (بن مسعود) رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک بوریے پر سوئے ہوئے تھے۔ جب آپ ﷺ سو کر اٹھے تو آپ کے پہلو پر نشانات تھے۔ ہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! کاش کہ ہم آپ کے لیے ایک نرم بستر بنا دیتے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: «میرا اور اس دنیا سے کیا تعلق! میں تو اس دنیا میں نہیں ہوں مگر اس سوار کی طرح جو کسی درخت کے نیچے سایہ حاصل کرنے کے لئے رکے، پھر اس درخت کو چھوڑ کر چل دے۔» (جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ، مسند احمد)

[شرح] صحابہء کرام رضی اللہ عنہم نے سرکارِ دوجہاں ﷺ کے جسمِ اطہر پر بوریے کے نشانات پڑے ہوئے دیکھے، تو دربارِ نبوت سے اجازت چاہا کہ وہ لوگ آپ کے لئے موٹے اور نرم بستروں کا انتظام کردیں، تو سرکارِ دوجہاں ﷺ نے فرمایا کہ مجھے اس دنیا اور اس کے عیش وآرام سے کیا واسطہ! پھر آپ ﷺ نے اپنی مثال ایک سوار سے دی، اور دنیا اور اس کی آسائشوں کی مثال درخت اور اس کے سایہ سے کہ جس طرح ایک سوار کچھ دیر کے لئے ایک درخت کے نیچے سایہ حاصل کرتا ہے، پھر اس درخت کو چھوڑ کر اپنی منزل کی طرف چل دیتا ہے، اسی طرح میں بھی اس دنیا میں ایک مسافر کی طرح ہوں، جسے چھوڑ کر مجھے جانا ہے۔ میری منزلِ مقصود تو آخرت اور وہاں کی آسودہ زندگی ہے۔ اس حدیث سے آپ خوب اچھی طرح اندازہ کرسکتے ہیں کہ ہمارے پیارے نبی، سرکارِ دوجہاں ﷺ کو اس دنیا اور اس دنیا کے عیش وآرام سے کتنی بے رغبتی تھی۔

*****

مؤمنین کی مثالیں

١٢ – عَنِ الْعِرْبَاضِ بْنِ سَارِيَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: « الْمُؤْمِنُ كَالْجَمَلِ الأَنِفِ، حَيْثُمَا قِيدَ انْقَادَ ». (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَهْ:٤٣، وَأَحْمَدُ:١٧١٤٢، وَقَالَ شُعَيْب الأَرْنَؤوط: حَدِيْثٌ صَحِيْحٌ بِطُرِقِه وشَواهِدِه)

[ترجمہ] حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ‹‹مؤمن نکیل ڈالے اونٹ کی طرح ہے، اسے جہاں لے جایا جائے، چل دیتا ہے۔›› (سنن ابن ماجہ، مسند احمد)

[شرح] اس حدیث میں اونٹ کی صفتِ اطاعت اور فرمان برداری کو بطورِ مثال پیش کیا گیا ہے کہ اونٹ اتنا قوی اور مضبوط ہونے کے باوجود، اپنے مالک کا ایسا مطیع اور فرماں بردار ہوتا ہے کہ اس کا مالک اس کی نکیل پکڑ کر جدھر چاہے لے جائے، چل دیتا ہے۔ اس پر جتنا چاہے بوجھ لادے، ہرگز انکار نہیں کرتا، اور اپنے مالک کے لیے بڑی سے بڑی مشقت برداشت کرلیتا ہے۔ اسی طرح کی صفات ایک سچے اور مخلص مؤمن میں بھی ہوتی ہیں کہ وہ بھی اپنے مالکِ حقیقی یعنی اللہ احکم الحاکمین کی جانب سے جو حکم ملتا ہے فوراً بجالاتا ہے، فی سبیل اللہ ہر قسم کی چھوٹی بڑی مشقت بخوشی برداشت کرتا ہے، رحمۃ للعالمین ﷺ کی سنتوں پر عمل کرنے کی پوری کوشش کرتا ہے، اور امیر المسلمین کے ماتحت رہ کر زندگی گزارنا پسند کرتا ہے۔

*****

١٣- عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «إِنَّ مِنَ الشَّجَرِ شَجَرَةً لاَ يَسْقُطُ وَرَقُهَا، وَإِنَّهَا مَثَلُ المسْلِمِ، فَحَدِّثُونِي مَا هِيَ» فَوَقَعَ النَّاسُ فِي شَجَرِ البَوَادِي قَالَ عَبْدُ اللَّهِ: وَوَقَعَ فِي نَفْسِي أَنَّهَا النَّخْلَةُ، فَاسْتَحْيَيْتُ، ثُمَّ قَالُوا: حَدِّثْنَا مَا هِيَ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ: «هِيَ النَّخْلَةُ» (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ: ٦١، وَمُسْلِمٌ: ٢٨١١، والتِّرْمِذِيُّ: ٢٨٦٨، وَأَحْمَدُ: ٦٤٦٨)

[ترجمہ] حضرت (عبد اللہ) بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «درختوں میں ایک درخت ایسا ہے جس کے پتے نہیں جھڑتے، اور مسلمان کی وہی مثال ہے۔ لہٰذا مجھ سے بیان کرو کہ وہ کون سا ہے؟» چنانچہ لوگوں کا خیال جنگل کے درختوں کی طرف دوڑا۔ حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میرے دل میں آیا کہ وہ کھجور کا درخت ہے، لیکن مجھ کو شرم آئی۔ آخر لوگوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ ہی ہمیں بتلادیں کہ وہ کون سا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: «وہ کھجور کا درخت ہے۔» (صحیح بخاری، صحیح مسلم، جامع ترمذی، مسند احمد)

[شرح] اس حدیث کے راوی حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والدِ محترم حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ جب حضورِ اقدس ﷺ نے ہم سے دریافت فرمایا تھا کہ وہ کون سا درخت ہے، جس کے پتے نہیں جھڑتے، اور وہ مؤمن کی مثال ہے، تو اس وقت میرے دل میں یہ بات آئی تھی کہ وہ کھجور ہی کا درخت ہوگا، لیکن حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور آپ جیسے بڑے حضرات خاموش تھے، اور میں چھوٹا تھا، اس لیے مجھے شرم آئی اور میں ادباً خاموش

رہا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "ارے پیارے! اگر تم رسول اللہ ﷺ کی مجلس میں بول دیتے تو مجھے اتنا اتنا مال ملنے سے بھی زیادہ خوشی ہوتی۔" مؤمن کو کھجور کے درخت سے تشبیہ دینے کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح کھجور کا درخت نہایت مضبوط اور پائیدار ہوتاہے، خزاں کے موسم میں بھی اس درخت کے پتے نہیں گرتے، اوراس کا پھل بھی بہت عمدہ، مفید اور صحت بخش ہوتاہے، اسی طرح مؤمن بھی اپنے ایمان ویقین میں مضبوط ہوتاہے، ناموافق حالات میں بھی اس کے ایمان ویقین میں کوئی کمزوری نہیں آتی، عبادات میں مواظبت کرتاہے، اورہمیشہ لوگوں کی نفع رسانی اور خیر خواہی میں لگا رہتاہے۔ قرآنِ کریم میں کلمہء طیبہ کی مثال بھی ایک پاکیزہ اور مضبوط درخت سے دی گئی ہے، اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ﴿کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے کلمہ طیبہ کی ایک مثال بیان کی ہے کہ وہ ایک ایسے پاکیزہ درخت کے مشابہ ہے، جس کی جڑ (زمین میں) جمی ہوئی ہے، اور اس کی شاخیں آسمان میں ہیں﴾ ﴿وہ اپنے رب کے حکم سے ہر وقت اپنا پھل لاتاہے، اور اللہ لوگوں کے واسطے مثالیں بیان کرتے ہیں تاکہ وہ سمجھیں﴾ (ابراہیم: ۲۴-۲۵)۔ یعنی جس کے دل میں کلمہء طیبہ کی جڑ مضبوط ہوتی ہے، اسے اس کے نیک عمل کا پھل برابر ملتا رہتاہے۔

*****

١٤ – عَنْ أَبِي مُوسَى رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِي صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: « إِنَّ الْمُؤْمِنَ لِلْمُؤْمِنِ كَالْبُنْيَانِ، يَشُدُّ بَعْضُهُ بَعْضًا ». وَشَبَّكَ أَصَابِعَهُ. (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ: ٤٨١، وَمُسْلِمٌ: ٢٥٨٥، والتِّرْمِذِيُّ: ١٩٢٨، وَالنَّسَائِيُّ: ٢٥٦٠، وَأَحْمَدُ: ١٩٦٢٤)

[ترجمہ] حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: «ایک مؤمن (دوسرے) مؤمن کے لیے عمارت کی طرح ہے، جس کا ایک حصہ دوسرے حصہ کو مضبوط کرتا ہے۔» اور آپ ﷺ نے اپنی انگلیوں کو ملایا۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم، جامع ترمذی، سنن نسائی، مسند احمد)

[شرح] اس حدیث میں مسلمانوں سے مل کر جو ملت بنتی ہے اس ملتِ اسلامیہ کو ایک عمارت کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے کہ جس طرح کسی عمارت کی ایک اینٹ دوسری اینٹ سے مل کر، اور عمارت کا ایک حصہ دوسرے حصہ سے جڑ کر، پوری عمارت کو مضبوط اور پختہ بناتے ہیں، اسی طرح ایک مسلمان دوسرے مسلمان سے مل کر اور ایک ملک کے مسلمان دوسرے ملک کے مسلمانوں کے ساتھ متحد ہو کر پوری ملتِ اسلامیہ کو طاقتور اور مضبوط بناتے ہیں۔ پھر رسولِ اکرم ﷺ نے اپنے ایک ہاتھ کی انگلیوں کو دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈال کر بتلایا کہ اگر دنیا کے سارے مسلمان اسی طرح مل جل کر اتحاد واتفاق کے ساتھ رہیں تو پوری ملتِ اسلامیہ ایک بہت بڑی طاقت بن کر رہے گی۔ مسلمانوں کے اتحاد و اتفاق کی یہ کتنی بہترین مثال ہے۔

*****

١٥ - عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: « مَثَلُ الْمُؤْمِنِينَ فِي تَوَادِّهِمْ، وَتَرَاحُمِهِمْ، وَتَعَاطُفِهِمْ مَثَلُ الْجَسَدِ إِذَا اشْتَكَى مِنْهُ عُضْوٌ تَدَاعَى لَهُ سَائِرُ الْجَسَدِ بِالسَّهَرِ وَالْحُمَّى». (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ: ٦٠١١، وَمُسْلِمٌ: ٢٥٨٦، وَاللَّفْظُ لَهُ، وَأَحْمَدُ: ١٨٣٧٣)

[ترجمہ] حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «مؤمنوں کی مثال ایک دوسرے کے ساتھ محبت، رحم اور ہمدردی کرنے میں ایسی ہے جیسے جسم ہے کہ جب اس کے کسی عضو کو تکلیف ہوتی ہے تو اس کی وجہ سے سارا جسم بے خوابی اور بخار میں اس کا شریک ہو جاتا ہے۔» (صحیح بخاری، صحیح مسلم، مسند احمد)

[شرح] اس حدیث میں تمام مسلمانوں کو ایک بدن کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے اور ان کے اتحاد واتفاق کو بہت ہی عمدہ مثال کے ذریعہ ذہن نشیں کرایا گیا ہے کہ جس طرح ایک جسم کے سارے اعضاء ایک روح سے تعلق رکھتے ہیں، ایک دوسرے سے متصل رہتے ہیں اور ایک دوسرے کے دکھ ودرد میں شریک ہوتے ہیں، مثلاً سر میں درد ہوتا ہے تو سارے جسم کو اس درد کا احساس ہوتا ہے۔ اسی طرح اس دنیا کے تمام مسلمانوں کا تعلق اسلام سے ہے۔ ان کی شان یہ ہے کہ وہ آپس میں اتحاد واتفاق کے ساتھ ایک جسم بن کر رہتے ہیں اور ایک دوسرے کے دکھ درد میں شریک ہوتے ہیں۔ چنانچہ اگر کسی ملک کے مسلمانوں پر ظلم ہو رہا ہو تو دنیا کے سارے مسلمانوں کو اس ظلم کا احساس ہونا چاہیے اور باہم متحد ہو کر اپنے مظلوم مسلمانوں کی مدد کرنی چاہیے۔

*****

١٦ – عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَطَبَ النَّاسَ يَوْمَ النَّحْرِ فَقَالَ: «يَا أَيُّهَا النَّاسُ أَيُّ يَوْمٍ هَذَا؟»، قَالُوا: يَوْمٌ حَرَامٌ، قَالَ: «فَأَيُّ بَلَدٍ هَذَا؟»، قَالُوا: بَلَدٌ حَرَامٌ، قَالَ: «فَأَيُّ شَهْرٍ هَذَا؟»،

قَالُوا: شَهْرٌ حَرَامٌ، قَالَ: «فَإِنَّ دِمَاءَكُمْ وَأَمْوَالَكُمْ وَأَعْرَاضَكُمْ عَلَيْكُمْ حَرَامٌ، كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هَذَا، فِي بَلَدِكُمْ هَذَا، فِي شَهْرِكُمْ هَذَا»، فَأَعَادَهَا مِرَارًا. (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ: ١٧٣٩، بَابُ الخُطْبَةِ أَيَّامَ مِنَى، وَأَحْمَدُ:٢٠٣٦)

[ترجمہ] حضرت (عبد اللہ) بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یوم النحر (دس ذی الحجہ) کو لوگوں کے سامنے خطبہ دیا تو فرمایا: «اے لوگو! آج کون سا دن ہے؟» لوگوں نے کہا: "عزت و حرمت والا دن ہے۔" آپ ﷺ نے فرمایا: «یہ کون سا شہر ہے؟» لوگوں نے کہا: "عزت و حرمت والا شہر ہے۔" آپ ﷺ نے فرمایا: «یہ کون سا مہینہ ہے؟» لوگوں نے کہا: "یہ عزت و حرمت والا مہینہ ہے۔" آپ ﷺ نے فرمایا کہ «تمہارے خون، تمہارے مال اور تمہاری آبروئیں (ایک دوسرے پر ہمیشہ کے لئے) اسی طرح حرام ہیں جس طرح اس (آج کے) دن کی حرمت تمہارے اس شہر میں تمہارے اس مہینہ میں ہے۔» آپ ﷺ نے ان کلمات کو بار بار دہرایا۔ (صحیح بخاری، مسند احمد)

[شرح] رسول اللہ ﷺ نے اپنے اس خطبہ میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے دن، مہینہ اور شہر کے بارے میں اس لئے پوچھا تاکہ وہ لوگ ان کی اہمیت وفضیلت کی روشنی میں ایک دوسرے کی جان ومال اور عزت وآبرو کی اہمیت وفضیلت سمجھ سکیں۔ مقصود یہ تھا کہ جس طرح کی عزت وحرمت ذی الحجہ کے مہینہ کی دس تاریخ کو مکہ مکرمہ میں حاصل ہے، اسی طرح کی عزت وحرمت ہر مسلمان کی جان، مال اور عزت وآبرو کو ہر جگہ اور ہمیشہ کے لیے حاصل ہے۔ اور جس طرح آج کے اس مبارک دن، مبارک مہینہ اور اس مقدس شہر میں کسی کا قتل وغارت اور بے عزتی کر

کے آج کے اس مبارک دن کی بے عزتی وبے حرمتی کرنا حرام ہے اسی طرح کسی مسلمان کو قتل کرنا، اس کا مال لوٹنا، یا اس کی بے عزتی و بے حرمتی کرنا ہر جگہ اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے حرام ہے۔

*****

١٧- عَنْ ثَابِتِ بْنِ الضَّحَّاكِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «مَنْ لَعَنَ مُؤْمِنًا فَهُوَ كَقَتْلِهِ، وَمَنْ قَذَفَ مُؤْمِنًا بِكُفْرٍ فَهُوَ كَقَتْلِهِ». (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ:٦٠٤٧، وَمُسْلِمٌ:١١٠، وَأَحْمَدُ:١٦٣٨٥)

[ترجمہ] حضرت ثابت بن ضحاک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «جس شخص نے کسی مومن پر لعنت کی تو وہ اس کے قتل کرنے کی طرح ہے۔ اور جس شخص نے کسی مومن کو کفر کی تہمت لگائی تو وہ اس کے قتل کرنے کی طرح ہے۔» (صحیح بخاری، صحیح مسلم، مسند احمد)

[شرح] لعنت کا معنی ہے رحمتِ الٰہی سے دوری کی بد دعا کرنا، مثلا کوئی کہے کہ " فلاں پر اللہ کی لعنت ہو" تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تبارکَ وتعالی اسے اپنی رحمت سے دور کردیں۔ مؤمن پر لعنت کرنے والے کو اسی طرح کا گناہ ملتا ہے، جس طرح کا گناہ مؤمن کے قاتل کو ملتا ہے۔ اس لیے کسی مؤمن پر لعنت نہیں بھیجنی چاہیے۔ ایک حدیث میں ہے کہ : «لعنت کرنے والے قیامت کے روز نہ گواہ بن سکیں گے، اور نہ شفاعت کر سکیں گے۔» (صحیح مسلم:٢٥٩٨)۔ کسی سچے مؤمن کو کافر کہنا اس کے ایمان کو کفر سمجھنا ہے اور اس پر کفر کی تہمت لگانا ہے۔ مؤمن پر کفر کی تہمت لگانے والے کو بھی اسی طرح کا گناہ ملتا ہے، جس طرح کا گناہ مؤمن کے

قاتل کو ملتا ہے۔ اس لیے کسی مسلمان کو اس وقت تک کافر نہیں کہنا چاہیے جب تک کہ وہ کفریہ عقائد کا اظہار نہ کردے۔ حدیث میں ہے کہ : «جس شخص نے اپنے (مسلمان) بھائی کو کافر کہا تو ان دونوں میں سے ایک اس کا مستحق ہو جاتا ہے۔» (صحیح بخاری: ۶۱۰۴) یعنی اگر وہ مسلمان حقیقت میں کافر ہو گیا تھا تو گناہ نہیں ہوگا، ورنہ کافر ہونے کا گناہ کہنے والے کی طرف لوٹ آئے گا۔

*****

منافقین کی مثالیں

١٨ - عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: « مَثَلُ الْمُنَافِقِ كَمَثَلِ الشَّاةِ الْعَائِرَةِ بَيْنَ الْغَنَمَيْنِ، تَعِيرُ إِلَى هَذِهِ مَرَّةً وَإِلَى هَذِهِ مَرَّةً ». (رَوَاهُ مُسْلِمٌ: ٢٧٨٤، وَالنَّسَائِيُّ: ٥٠٣٧، وَأَحْمَدُ: ٥٠٧٩)

[ترجمہ] حضرت (عبد اللہ) ابن عمر رضی اللہ عنہما، نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: «منافق کی مثال اس پریشان حال بکری کی طرح ہے جو دو ریوڑوں کے درمیان ہو کہ کبھی اِس (ریوڑ) میں آئے، اور کبھی اُس (ریوڑ) میں جائے۔» (صحیح مسلم، سنن نسائی، مسند احمد)

[شرح] منافق وہ ہے جو زبان سے تو ایمان کا اظہار کرے مگر دل سے ایمان نہ لائے۔ امامُ الرُّسُل ﷺ نے جھوٹ، وعدہ خلافی اور خیانت کو منافق کی علامات قرار دیا ہے۔ (دیکھیے صحیح بخاری: ۳۳)۔ حدیث میں منافق کو اس بکری کی طرح کہا گیا جو بکرے کی تلاش میں جفتی کھانے کے لیے دو ریوڑوں کے درمیان پریشان پھرتی

ہے، کبھی اِدھر آتی ہے اور کبھی اُدھر جاتی ہے۔ منافق کا حال بھی کچھ ایسا ہی ہوتا ہے کہ وہ بھی اسلام کی بابت ہمیشہ تذبذب اور شک میں مبتلا رہتا ہے۔ چنانچہ وقتی فائدہ حاصل کرنے کے لیے کبھی مسلمانوں کے ساتھ دوستی اور تعلق کا اظہار کرتا ہے تو کبھی کافروں کے ساتھ۔ منافقوں کی دو مثالیں قرآنِ کریم میں بھی بیان کی گئی ہیں۔ ملاحظہ ہو سورۃ البقرۃ، آیت: ۱۷-۲۰۔

*****

١٩ - عَنْ كَعْبٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: «مَثَلُ الْمُؤْمِنِ كَالْخَامَةِ مِنَ الزَّرْعِ، تُفَيِّئُهَا الرِّيحُ مَرَّةً، وَتَعْدِلُهَا مَرَّةً، وَمَثَلُ الْمُنَافِقِ كَالأَرْزَةِ، لاَ تَزَالُ حَتَّى يَكُونَ انْجِعَافُهَا مَرَّةً وَاحِدَةً». (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ:٥٦٤٣، وَمُسْلِمٌ: ٢٨١٠، وَأَحْمَدُ: ٢٧١٧١)

[ترجمہ] حضرت کعب (بن مالک) رضی اللہ عنہ، نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: «مؤمن کی مثال کھیتی کے نرم پودہ کی طرح ہے کہ ہوا کبھی اسے جھکا دیتی ہے اور کبھی اسے سیدھا کر دیتی ہے۔ اور منافق کی مثال صنوبر کے درخت کی طرح ہے کہ وہ ہمیشہ کھڑا رہتا ہے، یہاں تک کہ ایک ہی دفعہ جڑ سے اکھڑ جاتا ہے۔» (صحیح بخاری، صحیح مسلم، مسند احمد)

[شرح] اس حدیث میں مؤمنوں کی مثال کھیتی کے نرم پودوں کے ساتھ دی گئی ہے کہ جس طرح نرم پودوں کو تیز ہوائیں کبھی گرادیتی ہیں تو کبھی سیدھا کھڑا کر دیتی ہیں، اسی طرح مؤمنین بھی ہیں کہ کبھی آزمائشوں اور پریشانیوں میں زندگی بسر کرتے ہیں تو کبھی خوشیوں اور مسرتوں میں۔ اسی کش مکش میں آخرت کی ہمیشہ

ہمیشہ کی عیش و عشرت والی زندگی کی طرف چل دیتے ہیں۔اور منافق اور کافر کی مثال صنوبر کے درخت سے دی گئی ہے کہ جس طرح صنوبر کے درخت سخت ہونے کی وجہ سے تیز ہواؤں سے متاثر نہیں ہوتے بلکہ اپنی جگہ کھڑے رہتے ہیں۔اسی حال میں ان پر ایک وقت ایسا آتا ہے کہ وہ یک بار گی جڑ سے ہی اکھڑ جاتے ہیں۔اسی طرح کافر اور منافق بھی ہوتے ہیں کہ انہیں آزمائشوں اور مصیبتوں میں مبتلا نہیں کیا جاتا بلکہ ہنسی خوشی کے ساتھ بڑی آزادانہ زندگی گزارتے ہیں۔ اسی حال میں رہتے ہیں کہ اچانک موت آکر دبوچ لیتی ہے۔ پھر تکلیفوں اور مصیبتوں کی وادی یعنی جہنم میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جا گرتے ہیں۔

*****

یہود و نصاریٰ کی مثالیں

٢٠ – عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: « مَثَلُكُمْ وَمَثَلُ أَهْلِ الْكِتَابَيْنِ، كَمَثَلِ رَجُلٍ اسْتَأْجَرَ أُجَرَاءَ، فَقَالَ: مَنْ يَعْمَلُ لِي مِنْ غُدْوَةَ إِلَى نِصْفِ النَّهَارِ عَلَى قِيرَاطٍ؟ فَعَمِلَتِ الْيَهُودُ، ثُمَّ قَالَ: مَنْ يَعْمَلُ لِي مِنْ نِصْفِ النَّهَارِ إِلَى صَلاَةِ الْعَصْرِ عَلَى قِيرَاطٍ؟ فَعَمِلَتِ النَّصَارَى، ثُمَّ قَالَ: مَنْ يَعْمَلُ لِي مِنَ الْعَصْرِ إِلَى أَنْ تَغِيبَ الشَّمْسُ عَلَى قِيرَاطَيْنِ؟ فَأَنْتُمْ هُمْ، فَغَضِبَتِ الْيَهُودُ وَالنَّصَارَى، فَقَالُوا: مَا لَنَا أَكْثَرَ عَمَلاً وَأَقَلَّ عَطَاءً، قَالَ: هَلْ نَقَصْتُكُمْ مِنْ حَقِّكُمْ؟ قَالُوا: لاَ، قَالَ: فَذَلِكَ فَضْلِي أُوتِيهِ مَنْ أَشَاءُ». (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ: ٢٢٦٨، والتِّرْمِذِيُّ: ٢٨٧١، وَأَحْمَدُ:٤٥٠٨)

[ترجمہ] حضرت (عبداللہ) ابن عمر رضی اللہ عنہما نبی ﷺ سے روایت

کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: «تمہاری اور دونوں اہلِ کتاب (یہود و نصاریٰ) کی مثال اس شخص کی سی ہے جس نے چند مزدوروں کو کام پر لگایا اور کہا: کون ہے جو میرے لیے صبح سے دوپہر تک ایک قیراط کے عوض کام کرے؟ چنانچہ یہود نے کیا۔ پھر اس نے کہا: کون ہے جو میرے لیے دوپہر سے لے کر عصر کی نماز تک ایک قیراط کے عوض کام کرے؟ چنانچہ نصاریٰ نے کیا۔ پھر اس نے کہا: کون ہے جو میرے لیے عصر سے لے کر سورج ڈوبنے تک دو قیراط کے عوض کام کرے؟ چنانچہ وہ تم لوگ ہو۔ اس پر یہود و نصاریٰ کو غصہ آگیا۔ وہ لوگ کہنے لگے: یہ کیا بات ہوئی کہ ہمارے لیے کام زیادہ اور معاوضہ کم؟ تو اس شخص نے کہا: کیا میں نے تم سے تمہارے حق عطا کرنے میں کوئی کمی کی ہے؟ ان لوگوں نے کہا: نہیں۔ تو اس شخص نے کہا: یہ میرا فضل ہے میں جسے چاہوں عطا کروں۔» (صحیح بخاری، جامع ترمذی، مسند احمد)

[شرح] یہود و نصاری کے مقابلہ میں امتِ محمدیہ کے عملِ صالح کا وقت اس دنیا میں ایسا ہی ہے جیسا کہ سارے دن کے مقابلہ میں نمازِ عصر سے لے کر غروبِ آفتاب تک کا وقت ہے، لیکن اس کے باوجود اس امت کے لئے خصوصاً اجر و ثواب بہت زیادہ رکھا گیا ہے۔ عملِ صالح پر جو اجر و ثواب حاصل ہوتا ہے اس کی مثال اس حدیث میں چند مزدوروں کی مزدوری کے ساتھ دی گئی ہے کہ یہود کی مثال ایسی ہے جیسے کسی مزدور نے صبح سے لے کر دوپہر تک ایک قیراط پر کام کیا ہو، (قیراط ایک وزن کا نام ہے جو دینار کے چوبیسویں حصہ کے برابر ہوتا ہے)۔ کام ختم ہونے کے بعد اس مزدور نے اپنی ایک قیراط مزدوری لے لی ہو۔ اسی طرح یہود نے بھی جس قدر عملِ صالح کیا اسی کے بقدر اجر و ثواب پایا۔ اور نصاریٰ کی مثال ایسی ہے جیسے

کسی مزدور نے دوپہر سے لے کر نمازِ عصر تک ایک قیراط پر کام کیا ہو، پھر اس نے اپنی ایک قیراط مزدوری لے لی ہو۔ اسی طرح نصاری نے بھی جس قدر عملِ صالح کیا اسی کے بقدر اجر و ثواب پایا۔ اور امتِ محمدیہ کی مثال ایسی ہے جیسے کسی مزدور نے نمازِ عصر سے لے کر غروبِ آفتاب تک دو قیراط پر کام کیا ہو۔ پھر اس نے اپنی دو قیراط مزدوری لے لی ہو۔ اسی طرح امتِ محمدیہ کو بھی عملِ صالح کا وقت تو بہت کم دیا گیا لیکن اجر وثواب دوگنا دیا گیا۔ چنانچہ قیامت کے روز جب اس امت کے لوگوں کو ان کے کسی نیک عمل پر دوگنا، دس گنا، سات سوگنا یا بے حساب اجر وثواب سے نوازا جائے گا تو اس وقت یہود و نصاری کو بہت غصہ آئے گا۔ وہ عرض کریں گے : "یا اللہ! امتِ محمدیہ کے اعمال تو بہت کم ہیں، لیکن ان کا اجر وثواب بہت زیادہ ہے، اور ہمارے اعمال تو بہت زیادہ ہیں، لیکن ان کے مقابلہ میں ہمارا اجر و ثواب بہت کم ہے۔" تو اللہ ذو الجلالِ والاکرام فرمائیں گے : "کیا میں نے تمہارے ساتھ کچھ ظلم کیا ہے؟" یہود ونصاری کہیں گے : "نہیں۔" پھر اللہ ذو الجلالِ والاکرام فرمائیں گے : "امتِ محمدیہ کو کم عمل پر زیادہ اجروثواب دینا میرا فضل ہے اور میں اپنے فضل سے جسے چاہوں نوازوں۔"

*****

٢١- عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «كُلُّ مَوْلُودٍ يُولَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ، فَأَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهِ أَوْ يُنَصِّرَانِهِ أَوْ يُمَجِّسَانِهِ، كَمَثَلِ الْبَهِيمَةِ تُنْتَجُ الْبَهِيمَةَ، هَلْ تَرَى فِيهَا جَدْعَاءَ؟». (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ:١٣٨٥، وَمُسْلِمٌ:٢٦٥٨، وأَبُو دَاوُدَ:٤٧١٤، وَأَحْمَدُ:٩١٠٢)

[ترجمہ] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: «ہر بچہ (اسلامی) فطرت پر پیدا ہوتا ہے۔ پھر اس کے والدین اسے یہودی، عیسائی، یا مجوسی بنا لیتے ہیں۔ جیسے جانور کے یہاں (صحیح سالم) جانور پیدا ہوتا ہے۔ کیا تم اس میں کوئی عضو کٹا ہوا دیکھتے ہو؟۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ابو داود، مسند احمد)

[شرح] انسان کا ہر بچہ دینِ اسلام پر پیدا ہوتا ہے، جیسا کہ فرمانِ الٰہی ہے: ﴿آپ اپنا رخ یک سو ہو کر دین کی طرف رکھیں۔ اللہ کی اس فطرت پر جس پر اس نے انسان کو پیدا کیا ہے﴾ (روم:۳۰)۔ پیدائش کے بعد بچوں پر ان کے والدین اور ماحول کا بہت گہرا اثر پڑتا ہے۔ چنانچہ ماحول ہی کی وجہ سے مسلمانوں کے بچے اپنے اسلام پر قائم رہتے ہیں، اور کفار و مشرکین کے بچے خلافِ فطرت کفر و شرک کے طریقوں پر چلنے لگتے ہیں۔ حدیثِ پاک میں اس کی مثال دی گئی ہے کہ جس طرح جانوروں کے بچے جب پیدا ہوتے ہیں تو صحیح شکل و صورت لے کر پیدا ہوتے ہیں۔ کسی بچہ کا کوئی عضو کٹا ہوا نہیں ہوتا، مگر مشرکین جس بچہ کو اپنے بتوں کے نام پر وقف کرتے ہیں اس کا کان کاٹ ڈالتے ہیں یا اس کے جسم میں کوئی اور عیب پیدا کر دیتے ہیں، جس کی وجہ سے وہ بچہ اپنی اصلی شکل وصورت پر باقی نہیں رہتا۔ اسی طرح انسان کے بچے بھی جب پیدا ہوتے ہیں تو اصلی فطرت یعنی دینِ اسلام پر پیدا ہوتے ہیں۔ اب اگر اس بچہ کے ماں باپ مسلمان ہیں تو وہ بچہ بڑا ہو کر بھی مسلمان اور بے عیب رہتا ہے۔ یعنی فطرت کے مطابق اسلامی زندگی پر باقی رہتا ہے۔ اور اگر اس بچہ کے ماں باپ غیر مسلم ہیں، مثلاً یہودی ہیں تو وہ لوگ اسے یہودی بنا لیتے ہیں،

عیسائی ہیں تو عیسائی بنالیتے ہیں، مجوسی ہیں تو مجوسی بنالیتے ہیں، ہندو ہیں تو ہندو بنالیتے ہیں، مشرک ہیں تو مشرک بنالیتے ہیں، بدعتی ہیں تو بدعتی بنالیتے ہیں۔ پھر وہ بچہ غیر مسلم اور عیب دار بن جاتاہے۔ یعنی فطرت کے خلاف غیر اسلامی زندگی پر چلاجاتا ہے۔ البتہ غیر مسلم کے وہ بچے جو بچپن میں ہی بغیر کفر وشرک کیے مرجاتے ہیں ان کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیاتوآپ ﷺ نےفرمایا: «اللہ ہی بہتر جانتے ہیں کہ وہ بڑے ہو کر کیا عمل کرتے؟" (صحیح بخاری: ٦٥٩٧)

*****

٢٢- عَنْ أَبِي سَعِيدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: « لَتَتَّبِعُنَّ سَنَنَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ، شِبْرًا بِشِبْرٍ، وَذِرَاعًا بِذِرَاعٍ، حَتَّى لَوْ سَلَكُوا جُحْرَ ضَبٍّ لَسَلَكْتُمُوهُ ». قُلْنَا: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، الْيَهُودَ وَالنَّصَارَى؟ قَالَ « فَمَنْ؟!». (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ:٣٤٥٦، وَمُسْلِمٌ:٢٦٦٩، وابْنُ مَاجَهْ:٣٩٩٤، وَأَحْمَدُ:١١٨٠٠)

[ترجمہ] حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: « تم لوگ اپنے سے پہلے لوگوں کے نقشِ قدم پرضرور چلوگے، بالشت در بالشت اور ہاتھ در ہاتھ، یہاں تک کہ اگر وہ لوگ کسی گوہ کے سوراخ میں داخل ہوئے ہونگے تو تم بھی اس میں داخل ہوگے۔» ہم (صحابہ) نے عرض کیا: "اے اللہ کے رسول ﷺ! (پہلے لوگوں سے مراد) یہود ونصاری ہیں؟" آپ ﷺ نے فرمایا: «اور کون!» (صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ابن ماجہ، مسند احمد)

[شرح] اس حدیث میں اس بات کی پیشین گوئی کی گئی ہے کہ اس امت کا

مسلمان اسلامی تہذیب اور پاکیزہ آدابِ زندگی چھوڑ کر یہود و نصاریٰ کی بری عادات اور ان کے گندے طور طریقے اپنانے میں اس طرح ان کی برابری کرے گا، جس طرح کہ بالشت، بالشت کے برابر، اور گز، گز کے برابر ہوتا ہے، اور ہر چھوٹے بڑے کام میں ان کی نقالی کرے گا، یہاں تک کہ اگر یہود و نصاریٰ کے لوگ کسی گوہ کے تنگ اور بدبودار سوراخ میں داخل ہوں گے تو مسلمان بھی یہ غلیظ کام کرے گااور ان کے بے حیائی کے سارے کام کرے گا۔ جیسا کہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ «اگر ان میں کا کوئی آدمی (برسر عام) راستہ میں اپنی عورت سے جماع کیا ہے تو تم بھی کرو گے» (مستدرک حاکم: ۸۴۰۴)۔ رسول اللہ ﷺ کی یہ پیشین گوئی آج حرف بحرف سچ ثابت ہو رہی ہے کہ آج کا اکثر مسلمان اسلامی تہذیب کے بجائے، یہود و نصاری کی خراب طرزِ زندگی اختیار کرنے میں بہت فخر محسوس کرتا ہے۔ (معاذ اللہ)

*****

عوام وخواص کی مثالیں

۲۳ - عَنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: «إِنَّمَا النَّاسُ كَالإِبِلِ الْمِائَةُ، لاَ تَكَادُ تَجِدُ فِيهَا رَاحِلَةً». (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ:٦٤٩٨، وَمُسْلِمٌ: ٢٥٤٧، والتِّرْمِذِيُّ: ٢٨٧٢، وابْنُ مَاجَهْ: ٣٩٩٠ وَأَحْمَدُ: ٦٠٣٠)

[ترجمہ] حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: «لوگ سو اونٹوں کے مانند ہیں، جن میں تم سواری

کے قابل ایک بھی نہ پاؤگے۔» (صحیح بخاری، صحیح مسلم، جامع ترمذی، ابن ماجہ، مسند احمد)

[شرح] حدیث میں "سو" (۱۰۰) کا عدد کثرت کے لیے استعمال ہوا ہے۔ مطلب یہ کہ اس دنیا میں اونٹوں کی طرح انسانوں کی تعداد بھی بہت زیادہ ہے، مگر جس طرح سیکڑوں اونٹوں میں شاید ہی کوئی اونٹ تندرست وتوانا اور سواری کے قابل ہوتا ہے، اسی طرح سیکڑوں انسانوں میں بھی، خواہ مرد ہوں یا عورتیں، شاید ہی کوئی شخص مخلص، دیانتدار، جفاکش اور محنتی ہوتا ہے۔ مثلا موجودہ دور کے مسلمانوں کو ہی دیکھ لیجیے کہ آج ان کی تعداد یقیناً ایک ارب سے زیادہ ہے، لیکن ان میں نیک، امانتدار اور سچے مسلمانوں کی تعداد دال میں نمک کے برابر بھی نہیں ہے۔

*****

٢٤- عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ بِحَدِيثٍ يَرْفَعُهُ، قَالَ: « النَّاسُ مَعَادِنُ كَمَعَادِنِ الْفِضَّةِ وَالذَّهَبِ، خِيَارُهُمْ فِي الْجَاهِلِيَّةِ خِيَارُهُمْ فِي الإِسْلاَمِ إِذَا فَقُهُوا ». (رَوَاهُ مُسْلِمٌ:٢٦٣٨، وَأَحْمَدُ: ١٠٩٥٦)

[ترجمہ] حضرت ابو ھریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاًروایت ہے کہ : «لوگ چاندی اور سونے کی کانوں (چھپے ہوئے دفینوں) کی طرح کانیں ہیں۔ زمانۂ جاہلیت میں ان میں کے بہترین لوگ زمانۂ اسلام میں بھی بہترین ہیں، بشرطیکہ وہ فقیہ بنیں۔» (صحیح مسلم، مسند احمد)

[شرح] جس طرح معدنیات بعض زیادہ قیمتی ہوتی ہیں جیسے چاندی، سونا اور ہیرا وغیرہ، اور بعض کم قیمتی ہوتی ہیں جیسے چونا اور کوئلہ وغیرہ، اسی طرح انسان

بھی ہوتے ہیں کہ ان میں بعض انسان چاندی، سونے اور ہیرے کی طرح بہت اعلی درجے کے ہوتے ہیں کہ ان میں شرافت، سخاوت اور بہادری وغیرہ جیسی اچھی صفات پائی جاتی ہیں۔ اور بعض انسان چونے اور کوئلے کی طرح بہت گھٹیا ہوتے ہیں کہ ان میں شرارت، بخل اور بزدلی وغیرہ جیسی بری صفات پائی جاتی ہیں۔ اس لیے زمانہء جاہلیت کے وہ لوگ جن کو ان کی ذاتی شرافت، سخاوت اور بہادری وغیرہ کی وجہ سے معزز اور مکرم سمجھا جاتا تھا، ان کو انہی اوصاف کی بناء پر زمانہء اسلام میں بھی معزز اور مکرم سمجھا جائے گا، بشرطیکہ وہ لوگ دین کا علم سیکھ لیں اور اس میں سمجھ پیدا کرلیں۔ اور آج بھی یہی بات ہے کہ شریف اور صاحبِ حیثیت لوگ علمِ دین حاصل کرتے ہیں تو وہ باعزت اور باوقار بنتے ہیں۔ اور گھٹیا قسم کے لوگ دین سیکھ کر بھی اپنا گھٹیا پن دکھاتے ہیں۔

*****

٢٥ – عَنْ أَبِي مُوسَى رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِي صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: « مَثَلُ الْجَلِيسِ الصَّالِحِ وَالسَّوْءِ، كَحَامِلِ الْمِسْكِ وَنَافِخِ الْكِيرِ، فَحَامِلُ الْمِسْكِ: إِمَّا أَنْ يُحْذِيَكَ، وَإِمَّا أَنْ تَبْتَاعَ مِنْهُ، وَإِمَّا أَنْ تَجِدَ مِنْهُ رِيحًا طَيِّبَةً، وَنَافِخُ الْكِيرِ: إِمَّا أَنْ يُحْرِقَ ثِيَابَكَ، وَإِمَّا أَنْ تَجِدَ رِيحًا خَبِيثَةً ». (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ:٥٥٣٤، وَمُسْلِمٌ:٢٦٢٨)

[ترجمہ] حضرت ابو موسی رضی اللہ عنہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: « اچھے اور برے ساتھی کی مثال، مشک والے اور بھٹی دھونکنے والے کی سی ہے۔ مشک والا یا تو تمہیں کچھ دے دیگا، یا تم اس سے خرید لوگے،

یا تم اس کے پاس عمدہ مہک پاؤگے۔ اور بھٹی والا یا تو تمہارے کپڑے جلادے گا، یا تم (وہاں) بدبو پاؤگے۔» (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

[شرح] نیک ساتھی اور برے ساتھی میں کیا فرق ہے؟ اس فرق کو مثال کے ذریعہ واضح کیا گیا ہے کہ نیک اور دین دار ساتھی کی مثال ایسی ہے جیسے عطار (عطر فروخت کرنے والا) کہ اس کے پاس جو جاتا ہے وہ یا تو کچھ عطر خرید لیتا ہے، یا عطار ہی اسے کچھ عطر تحفہ میں دے دیتا ہے، یا کم از کم عطار کے پاس خوشبو کی مہک تو ضرور مل جاتی ہے۔ اسی طرح نیک اور دین دار ساتھی کے پاس جانے سے علم اور تجربہ حاصل ہوتا ہے، عمل کی توفیق ملتی ہے، یا کم از کم اس کی ہم نشینی کا اجر تو ضرور مل جاتا ہے۔اور بُرے ساتھی کی مثال ایسی ہے جیسے آگ کی بھٹی پھونکنے والا کہ اس کے پاس جو بیٹھتا ہے تو بھٹی کی چنگاری یا تو بیٹھنے والے کے کپڑے جلادیتی ہے، یا کم از کم وہاں پر بدبو دار دھواں تو ضرور لگتا ہے۔اسی کی طرح بُرا ساتھی کی برائی اور اس کے فسق وفجور سے اس شخص کو بہت نقصان پہنچتا ہے جو اس کے پاس اٹھتا بیٹھتا ہے، یا کم از کم وہاں قیمتی وقت تو ضرور ضائع ہوتا ہے۔ اس لئے ہمیں اچھے اور نیک لوگوں کی صحبت و ہم نشینی اختیار کرنی چاہیے کہ اس میں دنیا وآخرت دونوں کا فائدہ ہے۔ اور برے لوگوں کی صحبت اور ہم نشینی سے بچنا چاہیے کہ اس میں دنیا وآخرت دونوں کا نقصان ہے۔

*****

٢٦- عَنْ مِرْدَاسٍ الأَسْلَمِي رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: « يَذْهَبُ الصَّالِحُونَ، الأَوَّلُ فَالأَوَّلُ، وَيَبْقَى حُفَالَةٌ كَحُفَالَةِ الشَّعِيرِ أَوِ

التَّمْرِ، لاَ يُبَالِيهِمُ اللهُ بَالَةً ». (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ: ٦٤٣٤، وَأَحْمَدُ: ١٧٧٣٠)

[ترجمہ] حضرت مرداس اسلمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: «نیک لوگ (اس دنیا سے) ایک ایک کر کے گزر جائیں گے اور جو یا کھجور کی بھوسی کی طرح ناکارہ لوگ رہ جائیں گے، جن کی اللہ کچھ بھی پرواہ نہ کریں گے۔» (صحیح بخاری، مسند احمد)

[شرح] حدیثِ پاک میں اس بات کی خبر دی گئی ہے کہ اس دنیا سے نیک لوگوں کو ایک ایک کر کے اٹھا لیا جائے گا۔ نبی اکرم ﷺ نے ان کی مثال عمدہ کھجور اور عمدہ جو کے ساتھ دی ہے کہ جس طرح "عمدہ کھجور" ردی کھجوروں سے نکال لی جاتی ہے یا "عمدہ جو" خراب جو سے چھانٹ لیا جاتا ہے اور آخر میں "ردی کھجور" یا "خراب جو" باقی رہ جاتا ہے۔ اسی طرح نیک لوگوں کو بدترین لوگوں میں سے چن چن کر اس دنیا سے اٹھا لیا جائے گا اور آخر میں صرف بدترین اور ناکارہ لوگ ہی رہ جائیں گے۔ چنانچہ اللہ جلَّ جَلالُہٗ کے حکم سے قیامت بھی ایسے بدترین لوگوں پر ہی قائم ہو گی۔

*****

امتِ محمدیہ کی مثالیں

٢٧ - عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: « مَثَلُ أُمَّتِي مَثَلُ الْمَطَرِ، لاَ يُدْرَى أَوَّلُهُ خَيْرٌ أَمْ آخِرُهُ ». (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ: ٢٨٦٩، وَقَالَ: حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ، وَأَحْمَدُ: ١٢٣٢٧، وَقَالَ شُعَيْب الأَرْنَؤوط: حَدِيْثٌ قَوِيٌّ بِطُرُقِهِ وَشَوَاهِدِهِ)

[ترجمہ] حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «میری امت کی مثال بارش کی طرح ہے، معلوم نہیں کہ اس کا اول بہتر ہے یا اس کا آخر۔» (جامع ترمذی، مسند احمد)

[شرح] حضرت خاتم الانبیاء ﷺ کی امت کے تمام مسلمان، خواہ ان کا تعلق دورِ اول سے ہو یا دورِ آخر سے، بارش کی طرح مفید اور نفع بخش ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انہیں خیر الرسل، قرآنِ کریم اور کامل شریعت سے نوازا گیا ہے، "خیرِ امت" کا خطاب ملا ہے اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر جیسی اہم ذمہ داری سونپی گئی ہے۔ چنانچہ جس طرح بارش کے بارہ میں یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اس کا کون سا حصہ زیادہ مفید اور نفع بخش ہے، اسی طرح یہ بھی نہیں کہا جاسکتا کہ اس امت کے کس دور کے مسلمان زیادہ مفید اور نفع بخش ہیں۔ اللہ رب العزت جس دور کے مسلمانوں کو چاہیں نفع بخش بنا دیں اور جن سے جب چاہیں اپنے دین کا کام لے لیں۔ اس حدیث سے یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ دورِ آخر کے لوگ خیر القرون کے لوگوں سے بھی افضل ہوسکتے ہیں، کیوں کہ افضیلت ایک الگ مرتبہ ہے جو دورِ اول کے لئے مخصوص ہے۔ اس حدیث کا حاصل بس اتنا ہے کہ اس امت میں ہمیشہ "خیر" رہے گا اور ایک جماعت ہمیشہ حق پر رہے گی، اور اس امت کا کبھی وہ حشر نہ ہوگا جو یہود و نصارا اور دوسری امتوں کا ہوا کہ ان کے خواص و عوام سبھی شر میں مبتلا ہوگئے حتیٰ کہ ان کی مقدس آسمانی کتابیں بھی ان کے شر سے خالی نہ رہ سکیں۔

*****

٢٨ - عَنْ أَبِي مُوسَى رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِي صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «

مَثَلُ مَا بَعَثَنِي اللهُ بِهِ مِنَ الْهُدَى وَالْعِلْمِ كَمَثَلِ الْغَيْثِ الْكَثِيرِ أَصَابَ أَرْضًا، فَكَانَ مِنْهَا نَقِيَّةٌ قَبِلَتِ الْمَاءَ، فَأَنْبَتَتِ الْكَلأَ وَالْعُشْبَ الْكَثِيرَ، وَكَانَتْ مِنْهَا أَجَادِبُ أَمْسَكَتِ الْمَاءَ، فَنَفَعَ اللهُ بِهَا النَّاسَ، فَشَرِبُوا وَسَقَوْا وَزَرَعُوا، وَأَصَابَتْ مِنْهَا طَائِفَةً أُخْرَى، إِنَّمَا هِيَ قِيعَانٌ لاَ تُمْسِكُ مَاءً، وَلاَ تُنْبِتُ كَلأً، فَذَلِكَ مَثَلُ مَنْ فَقِهَ فِي دِينِ اللهِ وَنَفَعَهُ مَا بَعَثَنِي اللهُ بِهِ، فَعَلِمَ وَعَلَّمَ، وَمَثَلُ مَنْ لَمْ يَرْفَعْ بِذَلِكَ رَأْسًا، وَلَمْ يَقْبَلْ هُدَى اللهِ الَّذِي أُرْسِلْتُ بِهِ ». (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ: ٧٩، وَمُسْلِمٌ: ٢٢٨٢، وَأَحْمَدُ: ١٩٥٧٣)

[ترجمہ] حضرت ابو موسی (اشعری) نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: «جو ہدایت و علم دے کر اللہ نے مجھے بھیجا ہے اس کی مثال اس کثیر بارش کی طرح ہے جو زمین پر برسے۔ اس (زمین) کا جو حصہ عمدہ تھا اس نے اپنے اندر پانی جذب کر لیا اور خوب گھاس اور سبزہ اگایا۔ اور اس کا جو حصہ سخت تھا اس نے پانی جمع کر لیا تو اس سے بھی اللہ نے لوگوں کو نفع پہنچایا۔ چنانچہ لوگوں نے خود پیا، جانوروں کو پلایا اور کھیتوں کو بھی سیراب کیا۔ اور اس کا کچھ ایسا حصہ جس پر بارش برسی چٹیل میدان تھا۔ اس نے نہ پانی جمع کیا اور نہ ہی گھاس اگایا۔ پس یہی مثال اس شخص کی ہے جس نے اللہ کے دین میں سمجھ حاصل کی، اور اس ہدایت نے جسے دے کر اللہ نے مجھے بھیجا ہے اس کو نفع پہنچایا۔ تو اس نے سیکھا اور سکھایا۔ اور اس شخص کی مثال ہے جس نے اس کی طرف سر تک نہیں اٹھایا اور اللہ کی ہدایت جسے دے کر مجھے بھیجا گیا ہے قبول نہیں کیا۔» (صحیح بخاری، صحیح مسلم، مسند احمد)

[شرح] اس حدیث میں رسولِ اکرم ﷺ نے اپنے علم اور اپنی ہدایت کو

کثیر بارش سے تشبیہ دی ہے۔ اوراپنی امت کے لوگوں کو اس زمین سے جس پر وہ بارش برستی ہے۔ پھر جس زمین پر بارش برستی ہے وہ زمین یاتو عمدہ ہوتی ہے، یا سخت ہوتی ہے، یا پھر چٹیل ہوتی ہے، اسی طرح اس امت کے لوگ بھی تین قسم کے ہیں۔ (۱) عمدہ زمین جو اپنے اندر بارش کا پانی جذب کر کے خوب غلہ، گھاس اور سبزہ اگاتی ہے، تاکہ اس کی اگائی ہوئی چیزوں سے لوگ فائدہ اٹھائیں۔ عمدہ زمین کی مثال اُن لوگوں پر صادق آتی جو علمِ نبوی اور ہدایتِ نبوی حاصل کرتے ہیں، ان پر عمل کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی علمِ نبوی اور ہدایتِ نبوی سے فائدہ پہنچاتے ہیں۔ (۲) سخت زمین جو اپنے اندر پانی تو جذب نہیں کرتی، مگر اسے جمع ضرور کرلیتی ہے تاکہ اس کے جمع شدہ پانی سے لوگ فائدہ اٹھائیں۔ سخت زمین کی مثال ان لوگوں پر صادق آتی ہے جو اپنے اندر علمِ نبوی اور ہدایتِ نبوی جمع تو کرلیتے ہیں، مگر ان پر عمل نہیں کرتے۔ لیکن دوسروں کو تقریر و تحریر کے ذریعہ علمِ نبوی اور ہدایتِ نبوی سے فائدہ پہنچاتے ہیں۔ اور (۳) چٹیل زمین جو نہ پانی جمع کرتی ہے، اور نہ ہی غلہ اور سبزہ اگاتی ہے۔ چٹیل زمین کی مثال ہے ان لوگوں پر صادق آتی ہے جو اس علم و ہدایت ہی کو سچا نہیں مانتے جسے دے کر اللہ تعالی نے اپنے رسول حضرت محمد ﷺ کو مبعوث فرمایاہے، بلکہ اس سلسلہ میں وہ لوگ تکبر و غرور والا راستہ اختیار کرتے ہیں۔

*****

٢٩ – عَنْ أَبِي كَبْشَةَ الأَنْمَارِي رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ، قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: « مَثَلُ هَذِهِ الأُمَّةِ كَمَثَلِ أَرْبَعَةِ نَفَرٍ: رَجُلٌ آتَاهُ اللهُ مَالاً وَعِلْمًا، فَهُوَ يَعْمَلُ بِعِلْمِهِ فِي مَالِهِ يُنْفِقُهُ فِي حَقِّهِ، وَرَجُلٌ آتَاهُ اللهُ عِلْمًا، وَلَمْ يُؤْتِهِ مَالاً، فَهُوَ

يَقُولُ: لَوْ كَانَ لِي مِثْلُ هَذَا عَمِلْتُ فِيهِ مِثْلَ الَّذِي يَعْمَلُ ». قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «فَهُمَا فِي الأَجْرِ سَوَاءٌ، وَرَجُلٌ آتَاهُ اللهُ مَالاً، وَلَمْ يُؤْتِهِ عِلْمًا، فَهُوَ يَخْبِطُ فِي مَالِهِ يُنْفِقُهُ فِي غَيْرِ حَقِّهِ، وَرَجُلٌ لَمْ يُؤْتِهِ اللهُ عِلْمًا وَلاَ مَالاً، فَهُوَ يَقُولُ: لَوْ كَانَ لِي مِثْلُ مَالِ هَذَا، عَمِلْتُ فِيهِ مِثْلَ الَّذِي يَعْمَلُ ». قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: « فَهُمَا فِي الْوِزْرِ سَوَاءٌ ». (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ: ٢٣٢٥، وقَالَ: حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ، وَابْنُ مَاجَهْ: ٤٢٢٨، وَاللَّفْظُ لَهُ، وَأَحْمَدُ: ١٨٠٢٤، وَقَالَ شُعَيْب الأَرْنَؤوط: حَدِيْثٌ حَسَنٌ، رجاله ثقات)

[ترجمہ] حضرت ابو کبشہ انماری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «اس امت کی مثال چار قسم کے لوگوں کی طرح ہے۔ ایک تو وہ شخص ہے جس کو اللہ نے مال اور علم (دونوں) سے نوازا، لہٰذا وہ اپنے مال کے بارے میں اپنے علم پر عمل کرتا ہے اور اسے اس کے حق میں خرچ کرتا ہے۔ اور (دوسرا) وہ شخص ہے جس کو اللہ نے علم سے نوازا، مگر مال نہیں دیا تو یہ کہتا ہے کہ اگر میرے پاس اس طرح (کا مال) ہوتا تو میں بھی اس (پہلے) شخص کی طرح اسے خرچ کرتا۔» رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «یہ دونوں ثواب میں برابر ہیں۔ اور (تیسرا) وہ شخص ہے جس کو اللہ نے مال دیا لیکن علم سے نہیں نوازا تو یہ اپنے مال میں گڑبڑ کرتا ہے اور اسے اس کے ناحق جگہ پر خرچ کرتا ہے۔ اور (چوتھا) وہ شخص ہے جس کو اللہ نے نہ علم سے نوازا، اور نہ مال سے، تو یہ کہتا ہے کہ اگر میرے پاس مال ہوتا تو میں بھی اسی (تیسرے شخص) کی طرح اسے (بے جا) خرچ کرتا۔» رسول اللہ ﷺ فرمایا: «یہ دونوں گناہ میں برابر ہیں۔» (سنن ابن ماجہ، جامع ترمذی، مسند احمد)

[شرح] علم اور مال کے لحاظ سے اس امتِ محمدیہ کی مثال چار طرح کے شخصوں جیسی ہے: پہلا وہ شخص ہے جسے اللہ رب العالمین نے علم اور مال دونوں دولتوں سے نوازا ہے، صاحبِ علم ہونے کی وجہ سے اپنے مال کو ناجائز جگہوں میں خرچ نہیں کرتا۔ یعنی اس امت میں اعلی درجہ کا آدمی وہ ہے، جس کے پاس علمِ دین کے ساتھ مال بھی ہو، اور وہ اپنے مال کو شریعت کے مطابق ثواب کی نیت سے نیک کاموں میں خرچ کرتا ہو۔ دوسرا وہ شخص ہے جسے اللہ رب العالمین نے علمِ دین سے تو نوازا ہے لیکن مال نہیں دیا، تاہم وہ خلوصِ دل سے اس تمنا کا اظہار کرتا ہے اور پختہ عزم کے ساتھ کہتا ہے کہ اگر وہ مالدار ہوتا تو وہ بھی اپنا مال شریعت کے مطابق ثواب کی نیت سے نیک کاموں میں اسی طرح سے خرچ کرتا جس طرح کہ پہلا شخص کرتا ہے۔ لہٰذا اس دوسرے شخص کو بھی وہی اجر وثواب ملتا ہے جو پہلے شخص کو واقعتاً خرچ کرنے سے ملتا ہے۔ تیسرا وہ شخص ہے جو مالدار تو ہے، لیکن اس کے پاس ایسا علم نہیں ہے جس کے ذریعہ وہ اللہ رب العالمین سے ڈرے اور فقراء و مساکین کا حق ادا کرے۔ یعنی اس امت میں ادنی درجہ کا آدمی وہ ہے جو اپنے مال کا حق ہی نہ جانتا ہو، اور اپنے مال کو ناجائز کاموں میں خرچ کرتا ہو۔ چوتھا وہ شخص جس کے پاس نہ مال ہے، اور نہ علم، لیکن وہ اپنی تمنا کا اظہار کرتا ہے اور پختہ عزم کے ساتھ کہتا ہے کہ اگر اس کے پاس مال ہوتا تو وہ بھی اپنا مال ناجائز کاموں میں اسی طرح سے خرچ کرتا جس طرح کہ تیسرا شخص کرتا ہے۔ لہٰذا اس چوتھے شخص کو بھی وہی گناہ ملتا ہے جو تیسرے شخص کو واقعتاً اسراف کرنے سے ملتا ہے۔

*****

٣٠- عَنْ ثَوْبَانَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: « يُوشِكُ الأُمَمُ أَنْ تَدَاعَى عَلَيْكُمْ، كَمَا تَدَاعَى الأَكَلَةُ إِلَى قَصْعَتِهَا ». فَقَالَ قَائِلٌ: وَمِنْ قِلَّةٍ نَحْنُ يَوْمَئِذٍ؟ قَالَ: « بَلْ أَنْتُمْ يَوْمَئِذٍ كَثِيرٌ، وَلَكِنَّكُمْ غُثَاءٌ كَغُثَاءِ السَّيْلِ، وَلَيَنْزِعَنَّ اللهُ مِنْ صُدُورِ عَدُوِّكُمُ الْمَهَابَةَ مِنْكُمْ، وَلَيَقْذِفَنَّ اللهُ فِي قُلُوبِكُمُ الْوَهَنَ ». فَقَالَ قَائِلٌ: يَا رَسُولَ اللهِ! وَمَا الْوَهَنُ؟ قَالَ: « حُبُّ الدُّنْيَا، وَكَرَاهِيَةُ الْمَوْتِ ». (رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ:٤٢٩٧، وَأَحْمَدُ:٢٢٣٩٧، وَقَالَ شُعَيْب الأَرْنَؤوط: إِسْنَادُهُ حَسَنٌ)

[ترجمہ] حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «عنقریب قومیں تمہارے خلاف ایک دوسرے کو اس طرح دعوت دیں گی، جس طرح کھانے والے لوگ ایک دوسرے کو کھانے کے قاب کی طرف بلاتے ہیں۔» کسی کہنے والے نے عرض کیا: "کیا اس وقت ہماری تعداد کم ہو گی؟" آپ ﷺ نے فرمایا: «(نہیں) بلکہ اس وقت تمہاری تعداد بہت ہو گی، لیکن تم لوگ سیلاب کے جھاگ اور کوڑے کی مانند ہو گے، اللہ تمہارے دشمنوں کے دلوں سے تمہارے رعب نکال دیں گے اور اللہ تمہارے دلوں میں وہن (بزدلی) ڈال دیں گے۔» کسی کہنے والے نے عرض کیا: "یارسول اللہ! وَہن کیا چیز ہے؟" فرمایا: «دنیا سے محبت اور موت سے نفرت۔» (سنن ابو داؤد، مسند احمد)

[شرح] رسول اللہ ﷺ صحابہء کرام رضی اللہ عنہم کو آئندہ پیش آنے والے حالات کو مثال دے کر سمجھا رہے ہیں کہ جس طرح دستر خوان پر بیٹھے ہوئے لوگ ایک دوسرے کو وہاں پر برتنوں میں جو چیزیں ہوتی ہیں انہیں کھانے کے لیے

کہتے رہتے ہیں اور بلا تکلف اس دستر خوان سے جو چاہتے ہیں کھاتے ہیں، اسی طرح عنقریب ایک وقت آنے والا ہے کہ دنیا کی مختلف اُمتیں اور قومیں جیسے یہود، نصاریٰ اور مشرکین وغیرہ، امتِ مسلمہ کو کھا جانے اور ان کو ختم کردینے کے لیے ایک دوسرے کو دعوت دیں گے، پھر متحد ہوکر مسلمانوں کو قتل کریں گے اوران کی جائدادیں لوٹیں گے۔ ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: "یارسول اللہ ﷺ ! کیا اس وقت مسلمانوں کی تعداد کم ہوگی؟" رسول اللہ ﷺ جواب میں فرمایا: نہیں، بلکہ اس وقت مسلمانوں کی تعداد تو بہت ہوگی، مگر دنیا کی محبت اور شہادت کی موت سے نفرت کی وجہ سے مسلمان بزدل اور کمزور ہوجائیں گے، اور ان کی حیثیت سیلاب کے جھاگ اور کوڑے کباڑے کی سی ہوجائے گی۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسلمان اگراپنی کھوئی ہوئی شان وشوکت، اقتدار وقوت اور سلطنت وحکومت دوبارہ حاصل کرنا چاہتے ہیں تو انہیں اپنے دل سے دنیا کی محبت اور موت کا خوف نکالنا پڑے گا۔

*****

٣١- عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَتَى الْمَقْبُرَةَ، فَقَالَ: « السَّلاَمُ عَلَيْكُمْ دَارَ قَوْمٍ مُؤْمِنِينَ، وَإِنَّا إِنْ شَاءَ اللهُ بِكُمْ لاَحِقُونَ، وَدِدْتُ أَنَّا قَدْ رَأَيْنَا إِخْوَانَنَا». قَالُوا: أَوَلَسْنَا إِخْوَانَكَ؟ يَا رَسُولَ اللهِ! قَالَ: « أَنْتُمْ أَصْحَابِي وَإِخْوَانُنَا الَّذِينَ لَمْ يَأْتُوا بَعْدُ». فَقَالُوا: كَيْفَ تَعْرِفُ مَنْ لَمْ يَأْتِ بَعْدُ مِنْ أُمَّتِكَ؟ يَا رَسُولَ اللهِ! فَقَالَ: « أَرَأَيْتَ لَوْ أَنَّ رَجُلاً لَهُ خَيْلٌ غُرٌّ مُحَجَّلَةٌ بَيْنَ ظَهْرَيْ خَيْلٍ دُهْمٍ بُهْمٍ، أَلاَ يَعْرِفُ خَيْلَهُ؟». قَالُوا: بَلَى يَا رَسُولَ

اللهِ. قَالَ: « فَإِنَّهُمْ يَأْتُونَ غُرًّا مُحَجَّلِينَ مِنَ الْوُضُوءِ، وَأَنَا فَرَطُهُمْ عَلَى الْحَوْضِ، أَلاَ لَيُذَادَنَّ رِجَالٌ عَنْ حَوْضِي، كَمَا يُذَادُ الْبَعِيرُ الضَّالُّ، أُنَادِيهِمْ أَلاَ هَلُمَّ. فَيُقَالُ إِنَّهُمْ قَدْ بَدَّلُوا بَعْدَكَ. فَأَقُولُ سُحْقًا سُحْقًا». (رَوَاهُ مُسْلِمٌ: ٢٤٩، وَالنَّسَائِيُّ: ١٥٠، وابْنُ مَاجَهْ: ٤٣٠٦، وَأَحْمَدُ: ٧٩٩٣)

[ترجمہ] حضرت ابو ھریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ قبرستان تشریف لائے اور فرمایا: «السلام علیکم اہلِ ایمان کے مکان میں، ان شاء اللہ ہم لوگ بھی آپ لوگوں سے ملنے ہی والے ہیں۔ میری تمنا ہے کہ کاش ہم اپنے (مؤمن) بھائیوں کو دیکھیں!» صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: "یارسول اللہ ﷺ! کیا ہم آپ کے بھائی نہیں ہیں؟" آپ ﷺ نے فرمایا: «تم تو میرے صحابی (ساتھی) ہو، میرے بھائی وہ لوگ ہیں جو ابھی (دنیا میں) نہیں آئے۔» صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: "یارسول اللہ ﷺ! آپ کے وہ امتی جو ابھی تک نہیں آئے، آپ انہیں (قیامت کے روز) کیسے پہچانیں گے؟" آپ ﷺ نے فرمایا: «بتاؤ! اگر کسی شخص کے سفید پیشانی اور سفید پاؤں والے گھوڑے، سیاہ رنگ کے گھوڑوں میں مل جائیں تو کیا وہ شخص اپنے گھوڑوں کو پہچان نہ لے گا؟» صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: "کیوں نہیں، یارسول اللہ!" آپ ﷺ نے فرمایا: «اسی طرح وہ لوگ بھی (قیامت کے روز اس حال میں) آئیں گے کہ (ان کے چہرے، ہاتھ اور پاؤں) وضو کی وجہ سے چمکتے دمکتے ہونگے اور میں حوض پر ان کا منتظر رہونگا۔ اور سنو! کچھ لوگوں کو میرے حوض سے اس طرح دور بھگایا جائے گا جس طرح گم شدہ اونٹ بھگایا جاتا ہے۔ میں ان کو بلاؤں گا "ادھر آؤ" تو کہا جائے گا کہ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں

نے آپ کے بعد (سنتوں کو) بدل ڈالا تھا، تب میں کہوں گا: "دور ہوجاؤ، دور ہوجاؤ۔»» (صحیح مسلم، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ، مسند احمد)

[شرح] رسول اللہ ﷺ کا صحابہء کرام سے یہ فرمانا کہ "تم میرے صحابہ ہو اور ہمارے بھائی وہ ہیں جو ابھی پیدا نہیں ہوئے۔۔۔الخ" کا حاصل یہ ہے کہ صحابہء کرام رضی اللہ عنہم کو یہ امتیازی خصوصیت حاصل ہے کہ وہ رسولِ دوجہاں ﷺ کے دینی بھائی ہونے کے ساتھ ساتھ، آپ ﷺ کے خاص ساتھی بھی ہیں اور بقیہ تمام مؤمنین صرف آپ ﷺ کے دینی بھائی ہیں۔ رسولِ دوجہاں ﷺ نے اپنی تمنا کا اظہار فرمایا کہ وہ اپنی امت کے تمام افراد کو قیامت کے روز حوضِ کوثر پر دیکھنا چاہتے ہیں! اس پر صحابہء کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: "یا رسول اللہ ﷺ! قیامت کے اس اژدحام میں جہاں دنیا کے تمام انسان جمع ہونگے، آپ اپنی امت کے ان افراد کو کیسے پہچانیں گے جو ابھی تک پیدا بھی نہیں ہوئے؟" شافعِ محشر ﷺ نے صحابہء کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے ایک مثال رکھی کہ جس طرح کسی شخص کے سفید پیشانی اور سفید پاؤں والے گھوڑے، سیاہ رنگ کے گھوڑوں میں مل جائیں، تو وہ شخص اپنے سفید پیشانی اور سفید پاؤں والے گھوڑوں کو سیاہ رنگ کے گھوڑوں کے درمیان باآسانی پہچان لیتا ہے، اسی طرح میں بھی اپنی امت کے تمام افراد کو باقی امتوں جیسے یہود ونصاری وغیرہ کے درمیان باآسانی پہچان لوں گا، کیوں کہ میری امت قیامت کے روز اس حال میں آئے گی کہ ان کے چہرے، ہاتھ اور پاؤں، وضو کرنے کی وجہ سے روشن، نورانی اور چمکدار ہوں گے۔ ایک حدیث میں یہ بھی ہے کہ: «تمہارے لیے یہ ایسی نشانی اور علامت ہو گی جو باقی امتوں میں سے کسی کے لیے

نہ ہو گی۔» (صحیح مسلم: ۲۴۷)۔ قیامت کے روز اس امت کے منافقین، مرتدین اور مبتدعین بھی ساقیء کوثر ﷺ کے پاس حوضِ پر آنے کی کوشش کریں گے، مگر ان کو وہاں سے اس طرح بھگایا جائے گا، جس طرح کہ کسی غیر کا گم شدہ اونٹ بھگایا جاتا ہے۔ جب ساقیء کوثر ﷺ انہیں اپنا سمجھ کر بلائیں گے تو ایک فرشتہ عرض کرے گا: "یارسول اللہ ﷺ! یہ تو وہ لوگ ہیں جنہوں نے آپ کے بعد دین میں بہت سی نئی نئی باتیں اور بدعات نکال لی تھیں۔" یہ سن کر آپ ﷺ حکم فرمائیں گے کہ: "انہیں یہاں سے بھگاؤدو، بھگاؤدو۔"

*****

نماز کی مثالیں

٣٢- عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: « أَرَأَيْتُمْ لَوْ أَنَّ نَهَرًا بِبَابِ أَحَدِكُمْ، يَغْتَسِلُ فِيهِ كُلَّ يَوْمٍ خَمْسًا، مَا تَقُولُ: ذَلِكَ يُبْقِي مِنْ دَرَنِهِ؟». قَالُوا: لاَ يُبْقِي مِنْ دَرَنِهِ شَيْئًا. قَالَ: « فَذَلِكَ مِثْلُ الصَّلَوَاتِ الْخَمْسِ، يَمْحُو اللهُ بِهَا الْخَطَايَا ». (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ:٥٢٨، وَمُسْلِمٌ:٦٦٧، والتِّرْمِذِيُّ:٢٨٦٨، وَالنَّسَائِيُّ:٤٦٢، وَأَحْمَدُ:٨٩٢٤)

[ترجمہ] حضرت ابو ھریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: «تمہارا کیا خیال ہے، اگر تم میں سے کسی کے دروازے پر ایک نہر ہو جس میں وہ ہر روز پانچ مرتبہ غسل کرتا ہو، تم کیا کہتے ہو کہ یہ (نہانا) اس کے (بدن پر) میل کچیل باقی رکھے گا؟» صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: "(نہیں) اس پر کوئی میل باقی نہ رکھے گا۔" آپ ﷺ نے فرمایا: «یہی

پانچوں نمازوں کی مثال ہے، اللہ ان کے ذریعہ سے گناہوں کو مٹادیتے ہیں۔» (صحیح بخاری، صحیح مسلم، جامع ترمذی، سنن نسائی، مسند احمد)

[شرح] ایمان کے بعد شریعت نے سب سے زیادہ زور نماز پر دیا ہے اور اسے اسلام کا ایک عظیم رکن قرار دیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے: (۱) اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، (۲) پابندی کے ساتھ نماز پڑھنا، (۳) زکوۃ دینا، (۴) حج کرنا، (۵) رمضان کے روزے رکھنا۔» (صحیح بخاری: ۸)۔ یعنی اسلام کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی عمارت کہ جس طرح کوئی عمارت اس وقت تک قائم نہیں رہ سکتی جب تک کہ اس کی بنیادی ستوں نہ ہوں۔ اسی طرح اسلام کے بھی پانچ بنیادی ستون ہیں مسلمان ان کے بغیر اپنے اسلام پر باقی نہیں رہ سکتا۔ اسلام میں ہر مسلمان پر روزآنہ پانچ وقت کی نماز فرض ہے۔ چنانچہ جو مسلمان ان نمازوں کو پابندی کے ساتھ ادا کرتا ہے، اللہ ارحم الراحمین ان نمازوں کی وجہ سے اس کے گناہوں کو معاف کر دیتے ہیں۔ اسی کو حدیثِ پاک میں مثال کے ذریعہ سمجھایا گیا ہے کہ جس طرح روزآنہ پانچ مرتبہ نہر کے پانی میں غسل کرنے سے جسم پر سے ظاہری گندگی، جیسے میل وکچیل وغیرہ دور ہوجاتی ہیں، اسی طرح روزآنہ پانچوں وقت کی نماز ادا کرنے سے باطنی گندگی، جیسے گناہ اور خطا وغیرہ معاف ہوجاتے ہیں۔ نماز، صدقہ، روزہ، حج اور دوسری عبادات سے صغیرہ گناہ تو ضرور معاف ہوجاتے ہیں، البتہ کبیرہ گناہوں کی معافی اللہ تعالی کی مرضی پر ہے، وہ چاہیں تو ان عبادات سے صغیرہ گناہوں کے ساتھ ساتھ کبیرہ گناہوں کو بھی معاف کردیں۔

*****

٣٣- عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: « مُنْتَظِرُ الصَّلَاةِ مِنْ بَعْدِ الصَّلَاةِ، كَفَارِسٍ اشْتَدَّ بِهِ فَرَسُهُ فِي سَبِيلِ اللهِ عَلَى كَشْحِهِ، تُصَلِّي عَلَيْهِ مَلَائِكَةُ اللهِ، مَا لَمْ يُحْدِثْ، أَوْ يَقُومُ، وَهُوَ فِي الرِّبَاطِ الأَكْبَرِ». (رَوَاهُ أَحْمَدُ: ٨٦٢٥، وَقَالَ شُعَيْب الأَرْنَؤوط: إسنادُهُ حَسَنٌ)

[ترجمہ] حضرت ابو هریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ‹‹ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار کرنے والا اس شہسوار کی طرح ہوتا ہے جس کا گھوڑا اسے لے کر اللہ کی راہ میں (نکلنے کے لیے) اپنے پہلو پر تیار کھڑا ہو۔ اس کے لیے اللہ کے فرشتے اس وقت تک دعاء کرتے رہتے ہیں جب تک کہ وہ بے وضو نہ ہوجائے یا وہاں سے کھڑا نہ ہوجائے اور وہ بہت بڑے مورچہ پر ہوتا ہے۔›› (مسند احمد)

[شرح] حدیثِ پاک میں منتظرِ صلاۃ کی مثال اس مجاہد سے دی گئی ہے جو گھوڑے پر سوار ہو اور اس کا گھوڑا اسے لے کر میدان میں نکلنے ہی والا ہو۔ مطلب یہ ہے کہ جس طرح کا اجر وثواب اللہ تعالی کے راستہ میں نکلنے والے مجاہد کو ملتا ہے، اسی طرح کا اجر وثواب اس شخص کو بھی حاصل ہوتا ہے جو ایک نماز پڑھ کر دوسری نماز کا انتظار کرتا ہے، کیوں کہ گھوڑے پر سوار مجاہد فی سبیل اللہ اگر دشمنانِ اسلام کے خلاف لڑتا ہے، تو نماز کا انتظار کرنے والا اپنے نفس اور شیطان کے خلاف لڑتا ہے۔

*****

٣٤- عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ يَقُولُ: « مَا مِنْ ثَلاَثَةٍ فِي قَرْيَةٍ، وَلاَ بَدْوٍ، لاَ تُقَامُ فِيهِمُ الصَّلاَةُ، إِلاَّ قَدِ اسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطَانُ، فَعَلَيْكَ بِالْجَمَاعَةِ، فَإِنَّمَا يَأْكُلُ الذِّئْبُ الْقَاصِيَةَ».

(رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ:٥٤٧، وَالنَّسَائِيُّ:٨٤٧، وَأَحْمَدُ:٢٧٥١٤، وَقَالَ شُعَيْب الأَرْنَؤوط: إسنادُهُ حَسَنٌ، وَالْحَاكِمُ:٣٧٩٦، وَقَالَ: حَدِيثٌ صَحِيحُ الْإِسْنَادِ)

[ترجمہ] حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ: «تین آدمی کسی بستی یا جنگل میں ہوں، اور ان میں با جماعت نماز نہ ہوتی ہو تو ان پر شیطان غالب آجاتا ہے۔ لہٰذا تم جماعت کو لازم کرلو، کیوں کہ بھیڑیا اسی بکری کو کھاتا ہے جو (اپنے ریوڑ سے) الگ ہو۔» (سنن ابو داؤد، سنن نسائی، مسند احمد، مستدرک حاکم)

[شرح] اس حدیث میں فرض نماز با جماعت پڑھنے کی تاکید ہے کہ کسی بستی، جنگل یا کسی اور جگہ اگر صرف تین ہی مسلمان ہوں، تب بھی انہیں باجماعت نماز ادا کرنی چاہیے، کیوں کہ جو لوگ باجماعت نماز ادا نہیں کرتے ان پر شیطان بہت آسانی سے مسلط ہوجاتا ہے۔ اسے مثال کے ذریعہ سمجھایا گیا کہ جس طرح بکری کا دشمن بھیڑیا ہے، اسی طرح آدمی کا دشمن شیطان ہے۔ چنانچہ جس طرح بھیڑیا اس بکری پر حملہ کرتا ہے جو اپنے ریوڑ سے دور اور تنہا ہو، اسی طرح شیطان بھی اس مسلمان پر حملہ آور ہوتا ہے جو جماعت سے الگ اور تنہا رہتا ہو۔ اس لیے شیطان سے بچنے کا واحد راستہ یہ ہے کہ ہر مسلمان باجماعت نماز ادا کرے اور نماز کے علاوہ دوسرے دینی کاموں میں بھی مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ رہے۔

*****

٣٥- عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ النَّبِي صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: « إِذَا كَانَ يَوْمُ الْجُمُعَةِ، وَقَفَتِ الْمَلائِكَةُ عَلَى بَابِ الْمَسْجِدِ يَكْتُبُونَ الأَوَّلَ فَالأَوَّلَ، وَمَثَلُ الْمُهَجِّرِ كَمَثَلِ الَّذِي يُهْدِي بَدَنَةً، ثُمَّ كَالَّذِي يُهْدِي بَقَرَةً، ثُمَّ كَبْشًا، ثُمَّ دَجَاجَةً، ثُمَّ بَيْضَةً، فَإِذَا خَرَجَ الإِمَامُ طَوَوْا صُحُفَهُمْ، وَيَسْتَمِعُونَ الذِّكْرَ ». (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ: ٩٢٩، وَمُسْلِمٌ:٨٥٠، وَالتِّرْمِذِيُّ: ٤٩٩، وَأَبُو دَاوُدَ: ٣٥١، وَالنَّسَائِيُّ:١٣٨٥، وابْنُ مَاجَهْ: ١٠٩٢، وَأَحْمَدُ:٧٧٦٦)

[ترجمہ] حضرت ابو ھریرہ رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: «جب جمعہ کا دن ہوتا ہے تو فرشتے (جامع) مسجد کے دروازے پر کھڑے ہوجاتے ہیں۔ سب سے پہلے آنے والوں کو پہلے لکھتے ہیں پھر انکے بعد والوں کو۔ اوراول وقت آنے والوں کی مثال اس شخص کی طرح ہے جو اونٹ قربان کرے، پھر اس شخص کی طرح ہے جو گائے قربان کرے، پھر دنبہ، پھر مرغی، پھر انڈا۔ اورجب امام (خطبہ کے لیے) نکلتاہے تو وہ (فرشتے) اپنا رجسٹر لپیٹ لیتے ہیں اور خطبہ سننے میں مشغول ہوجاتے ہیں۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم، جامع ترمذی، سنن ابو داؤد، سنن نسائی، ابن ماجہ، مسند احمد)

[شرح] اللہ تعالی قرآنِ کریم میں فرماتے ہیں کہ: ﴿اے ایمان والو! جب جمعہ کے دن نماز کے لیے اذان دی جائے تو اللہ کی یاد (یعنی نمازِ جمعہ) کے لیے جلدی کرو﴾ (سورۃ الجمعہ :۹)۔ چنانچہ اس حکم کی تعمیل میں جو لوگ اول وقت نمازِ جمعہ کے لیے جامع مسجد آتے ہیں ان کے لیے اس حدیث میں یہ فضیلت بیان کی گئی ہے کہ اللہ تعالی کے کچھ خاص فرشتے جمعہ کے دن جامع مسجد کے دروازے پر آکر کھڑے

ہو جاتے ہیں، اور نمازِ جمعہ کے لیے آنے والوں کے نام اور ان کا ثواب لوگوں کی آمد کی ترتیب کے اعتبار سے اپنے دفتر میں لکھتے ہیں۔ ان آنے والوں کے ثواب کو حِسّی مثال دے کر بتایا گیا کہ جس طرح کا ثواب کسی شخص کو اونٹ، گائے، بکری، مرغی یا انڈا کے قربانی کرنے یا صدقہ کرنے سے ملتا ہے، اسی طرح کا ثواب بالترتیب ان لوگوں کو بھی ملتا ہے جو نمازِ جمعہ کا خطبہ شروع ہونے سے پہلے جامع مسجد آتے ہیں۔ پہلی گھڑی میں آنے والوں کو اونٹ قربان کرنے کا ثواب ملتا ہے، ان کے بعد آنے والوں کو گائے اور ان کے بعد والوں کو مینڈھا قربان کرنے کا ثواب ملتا ہے۔ آخر وقت میں آنے والوں کو مرغی صدقہ کرنے کا ثواب ملتا ہے، پھر سب سے آخر میں آنے والوں کو انڈا صدقہ کرنے کا ثواب ملتا ہے۔ اور جب امامِ جمعہ خطبہ دینے کے لیے ممبر پر آتے ہیں تو یہ خاص فرشتے اپنا رجسٹر بند کرلے تے ہیں اور خطبہ سننے میں مشغول ہو جاتے ہیں۔

*****

صدقہ وزکاۃ کی مثالیں

٣٦- عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ النَّبِي صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «الصَّدَقَةُ تُطْفِئُ الْخَطِيئَةَ، كَمَا يُطْفِئُ الْمَاءُ النَّارَ». (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ:٢٦١٦، وقَالَ: حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ، وابْنُ مَاجَهْ:٣٩٧٣، وَأَحْمَدُ:٢٢١٣٣)

[ترجمہ] حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: «صدقہ گناہ کو اس طرح ختم کر دیتا ہے، جیسے پانی آگ کو بجھا دیتا

ہے۔» (جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ، مسند احمد)

[شرح] اللہ رب العالمین کی رضا کے لیے جو مال خرچ کیا جائے وہ مال صدقہ کہلاتا ہے۔ لفظِ "صدقہ" زکاۃ پر بھی بولا جاتا ہے کیوں کہ زکاۃ دینا صداقتِ ایمان کی دلیل ہے۔ صدقہ کرنے کے بے شمار فضائل ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ صدقہ کرنے سے خطائیں معاف ہو جاتی ہیں۔ اس بات کو حِسّی مثال کے ذریعہ سمجھایا گیا کہ خطائیں آگ کی طرح ہیں، اور صدقہ پانی کی طرح ہے۔ چنانچہ جس طرح پانی آگ کو بجھا دیتا ہے، اسی طرح صدقہ، صدقہ کرنے والوں کی خطاؤں کو مٹا دیتا ہے۔ صدقہ سے جو گناہ معاف ہوتے ہیں اس سے مراد صغیرہ گناہ ہیں، کبیرہ گناہوں کی معافی اللہ تعالی کی مشیت پر ہے، وہ چاہیں تو صدقہ سے صغیرہ گناہوں کے ساتھ ساتھ کبیرہ گناہوں کو بھی معاف کر دیں۔ ایک حدیث میں رحمتِ دوجہاں ﷺ نے صدقہ کے ذریعہ دوزخ کی آگ سے بچنے کی تاکید فرمائی ہے۔ ارشاد ہے: «اتَّقُوا النَّارَ وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَةٍ». «جہنم کی آگ سے بچو، اگر چہ کھجور کا کچھ حصہ دے کر ہی سہی۔» (صحیح بخاری: ۱۴۱۷)۔ اس لیے ضرورت مندوں کی مالی مدد کر کے اپنا آپ کو دوزخ کی آگ سے بچانے کی ہر ممکن کوشش کرنی چاہیے۔

*****

٣٧- عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «مَنْ تَصَدَّقَ بِعَدْلِ تَمْرَةٍ مِنْ كَسْبٍ طَيِّبٍ، وَلَا يَقْبَلُ اللهُ إِلَّا الطَّيِّبَ، وَإِنَّ اللهَ يَتَقَبَّلُهَا بِيَمِينِهِ، ثُمَّ يُرَبِّيهَا لِصَاحِبِهِ، كَمَا يُرَبِّي أَحَدُكُمْ فَلُوَّهُ، حَتَّى تَكُونَ مِثْلَ الْجَبَلِ». (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ: ١٤١٠، وَمُسْلِمٌ: ١٠١٤، والتِّرْمِذِيُّ: ٦٦١،

وَالنَّسَائِيُّ: ٢٥٢٥، وابْنُ مَاجَهْ: ١٨٤٢، وَأَحْمَدُ: ٨٣٨١)

[ترجمہ] حضرت ابو ھریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «جس نے پاکیزہ کمائی سے ایک کھجور کے برابر صدقہ کیا، اور اللہ صرف پاکیزہ کمائی ہی قبول کرتے ہیں، اور بے شک اللہ اسے اپنے داہنے ہاتھ سے قبول کرتے ہیں، پھر اسے صدقہ کرنے والے کے لیےاس طرح بڑھاتے رہتے ہیں، جس طرح کہ تم میں سے کوئی شخص اپنا بچھڑا پالتا ہے، یہاں تک کہ وہ (صدقہ) پہاڑ کے برابر ہو جاتا ہے۔» (صحیح بخاری، صحیح مسلم، جامع ترمذی، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ، مسند احمد)

[شرح] بارگاہِ الٰہی میں صرف وہی صدقہ قبول ہوتا ہے جو حلال اور پاکیزہ مال سے ہو۔ داہنے ہاتھ سے قبول کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ حلال مال خرچ کرنے والے سے بہت خوش ہوتے ہیں۔ اور اس کا ثواب بڑھاتے رہتے ہیں، جس طرح اونٹنی یا گائے کے بچہ کا مالک بچہ کو پال کر بڑا کرتا ہے اور اس بچہ کی قیمت بڑھانے کی کوشش میں لگا رہتا ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ حلال کمائی کا صدقہ، خواہ وہ مقدار میں ایک کھجور کے برابر ہی کیوں نہ ہو، بڑھاتے رہتے ہیں، یہاں تک کہ وہ اجر وثواب میں پہاڑ کے برابر ہو جاتا ہے۔ اللہ سُبحانہ وتعالیٰ بہت کریم ہیں، وہ ذرہ جیسی نیکی کو پہاڑ بنا سکتے ہیں، اس لیے ہمیں کسی بھی نیکی کو معمولی سمجھ کر ترک نہیں کرنا چاہیے۔

*****

٣٨- عَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: «الْعَامِلُ عَلَى الصَّدَقَةِ بِالْحَقِّ، كَالْغَازِي فِي سَبِيلِ اللهِ، حَتَّى يَرْجِعَ إِلَى بَيْتِهِ ». (رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ:٢٩٣٦، والتِّرْمِذِيُّ:٦٤٥، وَقَالَ: حَدِيثٌ حَسَنٌ، وابْنُ مَاجَهْ:١٨٠٩، وَأَحْمَدُ:١٧٢٨٥، والحاكم:١٤٧٤، وَقَالَ: حَدِيثٌ صَحِيحٌ عَلَى شَرْطِ مُسْلِمٍ)

[ترجمہ] حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ: «حق کے ساتھ زکاۃ وصول کرنے والا عامل، اللہ کے راستہ میں جہاد کرنے والے کی طرح ہے، یہاں تک کہ وہ اپنے گھر لوٹ آئے۔» (سنن ابو داؤد، جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ، مسند احمد)

[شرح] یہاں عامل سے وہ شخص مراد ہے جسے کسی حکومتِ اسلامیہ یا کسی اسلامی ادارہ کی مجلسِ شوری کی طرف سے خیرات وزکاۃ کی وصولی پر مقرر کیا گیا ہو۔ اس عامل کی مثال غازی کی سی ہے، یعنی جب تک وہ کہیں صدقہ اور زکاۃ وصول کرتا ہے، اس وقت تک وہ ثواب حاصل کرنے میں اس غازی کی طرح ہوتا ہے جو اللہ ذو القُوَّةِ المَتِین کے راستہ میں جہاد کرتا ہے اور جس کا ہر لمحہ عبادت میں لکھا جاتا ہے۔ اور "حق کے ساتھ" کا مطلب یہ ہے کہ چندہ وصولنے والا سچائی اور امانت داری کیساتھ اس کام کو انجام دے تو اسے مجاہد فی سبیل اللہ کے مانند ثواب ملے گا، ورنہ وہ عذاب کا مستحق ہوگا۔ حدیث میں ہے کہ: «کچھ لوگ اللہ کے مال (صدقہ، زکاۃ یا غنیمت وغیرہ) میں ناحق تصرف کرتے ہیں، ان کے لیے قیامت کے روز دوزخ کی آگ ہوگی۔» (صحیح بخاری: ۳۱۱۸)

*****

٣٩- عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: « مَثَلُ الْبَخِيلِ وَالْمُنْفِقِ كَمَثَلِ رَجُلَيْنِ، عَلَيْهِمَا جُبَّتَانِ مِنْ حَدِيدٍ، مِنْ ثُدِيِّهِمَا إِلَى تَرَاقِيهِمَا، فَأَمَّا الْمُنْفِقُ فَلاَ يُنْفِقُ إِلاَّ سَبَغَتْ أَوْ وَفَرَتْ عَلَى جِلْدِهِ حَتَّى تُخْفِي بَنَانَهُ وَتَعْفُوَ أَثَرَهُ، وَأَمَّا الْبَخِيلُ فَلاَ يُرِيدُ أَنْ يُنْفِقَ شَيْئًا إِلاَّ لَزِقَتْ كُلُّ حَلْقَةٍ مَكَانَهَا، فَهُوَ يُوَسِّعُهَا وَلاَ تَتَّسِعُ ». (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ:١٤٤٣، وَمُسْلِمٌ:١٠٢١، وَالنَّسَائِيُّ: ٢٥٤٨، وَأَحْمَدُ: ٩٠٥٧)

[ترجمہ] حضرت ابو ھریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کوفرماتے ہوئے سنا کہ : «بخیل اور خرچ کرنے والے کی مثال ان دو آدمیوں کی طرح ہے جو لوہے کے دو کرتے، اپنی چھاتیوں سے ہنسلیوں (گلے کی ہڈی) تک، پہنے ہوئے ہوں۔ خرچ کرنے والا جب کچھ خرچ کرتا ہے تو وہ (کرتہ) اس کے جسم پر کشادہ اور لمبا ہو جاتا ہے، یہاں تک کہ اس کی انگلی کے پوروں کو ڈھانپ لیتا ہے اور اس کا نشانِ قدم مٹا دیتا ہے۔ اور بخیل جب ارادہ کرتا ہے کہ کچھ خرچ کرے تو اس کا کرتہ کا ہر حلقہ اپنی جگہ چمٹ جاتا ہے، اسے وہ کشادہ کرنا چاہتا ہے، لیکن وہ کشادہ نہیں ہوتا۔» (صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن نسائی، مسند احمد)

[شرح] اس حدیث میں بخیل اور سخی میں فرق کی ایک مثال دی گئی ہے کہ جس طرح کی راحت اور سکون لوہے کے جُبّہ یا زِرہ میں جکڑا ہوا آدمی جبہ یا زرہ کے کشادہ اور لمبی ہو جانے سے محسوس کرتا ہے، اسی طرح کی راحت اور سکون سخی آدمی غریبوں اور محتاجوں کی مالی مدد کر کے محسوس کرتا ہے، اور اس کی سخاوت اس کے عیبوں اور گناہوں پر پردہ ڈال دیتی ہے۔ اور جس طرح کی پریشانی اور تنگی لوہے کے

جبہ یا زرہ میں جکڑا ہوا آدمی جبہ یا زرہ کے سکڑنے اور تنگ ہونے سے محسوس کرتا ہے، اسی طرح کی پریشانی اور تنگی کنجوس آدمی اپنے مال کا صدقہ کرتے وقت محسوس کرتا ہے، اور اس کی بخالت اسے ذلیل اور رسوا کردیتی ہے۔ حاصل یہ ہے کہ بھلائی اور خیر کے کاموں میں صدقہ خیرات کرنا سخی آدمی کے لیے جتنا آسان ہوتا ہے، کنجوس آدمی کے لیے اتنا ہی مشکل ہوتا ہے۔

*****

٤٠ - عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ النَّبِي صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: « السَّاعِي عَلَى الأَرْمَلَةِ وَالْمِسْكِينِ، كَالْمُجَاهِدِ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ، أَوِ الْقَائِمِ اللَّيْلَ الصَّائِمِ النَّهَارَ ». (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ:٥٣٥٣، وَمُسْلِمٌ:٢٩٨٢، والتِّرْمِذِيُّ:١٩٦٩، وَالنَّسَائِيُّ: ٢٥٧٧، وابْنُ مَاجَهْ: ٢١٤٠، وَأَحْمَدُ: ٨٧٣٢)

[ترجمہ] حضرت ابو ھریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: « بیوہ اور مسکین کے لیے کوشش کرنے والا، اللہ کے راستہ میں جہاد کرنے والے کی طرح ہے، یا رات میں عبادت کرنے والے، دن میں روزہ رکھنے والے کی طرح ہے۔» (صحیح بخاری، صحیح مسلم، جامع ترمذی، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ، مسند احمد)

[شرح] جس عورت کا شوہر مر گیا ہو اس عورت کو بیوہ کہتے ہیں۔ اور جس نابالغ بچہ کا باپ مر گیا ہو اس بچہ کو یتیم کہتے ہیں، اور جو شخص مالی اعتبار سے اتنا مجبور ہو کہ اپنی ضرورت بھی پوری نہ کر سکے اسے مسکین کہتے ہیں۔ اس حدیث میں بیوہ اور مسکین کی ضرورت پوری کرنے کی فضیلت بیان کی گئی ہے کہ جو شخص ان کی مالی

مدد کرتا ہے یا ان کی کوئی خدمت کر دیتا ہے، اس کی مثال اجر و ثواب حاصل کرنے میں اس مجاہد کی طرح ہے جو اللہ ذوالقُوَّةِ الْمَتِين کے راستہ میں جہاد کرتا ہے، یا اس شخص کی طرح ہے جو رات میں تہجد پڑھتا ہے اور دن میں روزہ رکھتا ہے۔ ایک حدیث میں آپ ﷺ نے یتیموں کی پرورش کرنے کے بارے میں فرمایا کہ: «میں اور یتیم کی پرورش کرنے والا جنت میں اس طرح ہوں گے۔» آپ ﷺ نے شہادت اور درمیانی انگلی کے ذریعہ اشارہ کیا اور ان میں تھوڑی سی کشادگی رکھی۔ (صحیح بخاری: ۵۳۰۴)۔

*****

روزہ کی مثالیں

٤١ – عَنْ عُثْمَانَ بْنِ أَبِي الْعَاصِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: « الصَّوْمُ جُنَّةٌ مِنَ النَّارِ، كَجُنَّةِ أَحَدِكُمْ مِنَ الْقِتَالِ ». (رَوَاهُ النَّسَائِيُّ: ٢٢٣١، وَابْنُ مَاجَهْ: ١٦٣٩، وَأَحْمَدُ: ١٦٢٧٨، وَقَالَ شُعَيْب الأَرْنَؤُوط: إِسْنَادُهُ صَحِيْحٌ عَلَى شَرْطِ مُسْلِم)

[ترجمہ] حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا: «روزہ جہنم کی آگ سے ڈھال ہے، جیسا کہ تم میں سے کسی کی ڈھال قتال کے موقع پر ہوتی ہے۔» (سنن نسائی، سنن ابن ماجہ، مسند احمد)

[شرح] اسلام کے پانچ اہم بنیادی ارکان میں سے تیسرا رکن روزہ ہے۔

روزہ کے بے شمار فضائل ہیں۔ اس حدیث میں روزہ کو ڈھال سے تشبیہ دی گئی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جیسے آدمی قتال کے موقع پر ڈھال سے اپنی حفاظت کرتا ہے اور دشمن کے حملہ سے خود کو بچاتا ہے، اسی طرح روزہ دار روزہ رکھ کر خود کو جہنم کی آگ سے بچاتا ہے۔ چونکہ روزہ کی یہ خاصیت ہے کہ وہ دنیا میں نفسانی خواہشات، شیطانی مکروفریب اور گناہوں سے روزہ دار کو محفوظ رکھتا ہے، اس لیے وہ روزہ دار کے لیے ڈھال بن جاتا ہے اور اسے جہنم میں جانے سے بچاتا ہے۔

*****

٤٢ - عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: هَشِشْتُ، فَقَبَّلْتُ وَأَنَا صَائِمٌ، فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ! صَنَعْتُ الْيَوْمَ أَمْرًا عَظِيمًا، قَبَّلْتُ وَأَنَا صَائِمٌ. قَالَ: « أَرَأَيْتَ لَوْ مَضْمَضْتَ مِنَ الْمَاءِ وَأَنْتَ صَائِمٌ؟». قُلْتُ: لاَ بَأْسَ بِهِ. قَالَ: « فَمَهْ ». (رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ:٢٣٨٥، وَأَحْمَدُ:١٣٨، وَقَالَ شُعَيْب الأَرْنَؤوط: إِسْنَادُهُ صَحِيْحٌ عَلَى شَرْطِ مُسْلِم) وَالْحَاكِمُ:١٥٧٢، وَقَالَ: حَدِيثٌ صَحِيحٌ عَلَى شَرْطِ الشَّيْخَيْنِ)

[ترجمہ] حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے کہا: "میں (اپنی بیوی سے) خوش ہوا تو بوسہ لے لیا، حالاں کہ میں روزہ سے تھا۔" پھر میں نے عرض کیا: "یا رسول اللہ ﷺ! آج مجھ سے ایک بڑی خطاء ہوگئی کہ میں نے روزہ کی حالت میں (اپنی بیوی کا) بوسہ لے لیا۔" آپ ﷺ نے فرمایا: «بتاؤ! اگر تو روزہ کی حالت میں پانی سے کلی کرلے تو کیا ہوگا؟» میں نے کہا: "اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔" آپ ﷺ نے فرمایا: «پھر

کیا بات ہے!» (سنن ابو داؤد، مسند احمد، مستدرک حاکم)

[شرح] حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ یہ سمجھ رہے تھے کہ اپنی اہلیہ کا بوسہ لینے سے ان کا روزہ ٹوٹ گیاہے، اوران سے ایک بہت بڑا گناہ سرزد ہو گیاہے۔ اس لیے فوراً خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور اپنا حال سنایا۔ رسولِ کریم ﷺ نے انہیں ایک مثال سے سمجھایا جس کا حاصل یہ ہے کہ جس طرح کلی کرنے کو پانی پینا نہیں کہا جاتا ہے، اسی طرح بوسہ لینے کو جماع کرنا نہیں کہا جائے گا۔ لہٰذا جس طرح پانی کے ذریعہ کلی کرنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا ہے، اسی طرح بیوی کا بوسہ لینے سے بھی روزہ نہیں ٹوٹے گا۔ اس مسئلہ کا تعلق اصولِ قیاس سے ہے کہ جس میں دو متشابہ چیزوں کا ایک ہی حکم ہوتا ہے۔

*****

٤٣ – عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِي صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ! إِنَّ أُمِّي مَاتَتْ، وَعَلَيْهَا صَوْمُ شَهْرٍ، أَفَأَقْضِيهِ عَنْهَا؟ فَقَالَ: « لَوْ كَانَ عَلَى أُمِّكَ دَيْنٌ، أَكُنْتَ قَاضِيَهُ عَنْهَا؟». قَالَ: نَعَمْ. قَالَ: « فَدَيْنُ اللهِ أَحَقُّ أَنْ يُقْضَى ». (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ:١٩٥٣، وَمُسْلِمٌ: ١١٤٨، وَاللَّفْظُ لَهُ، وَأَبُو دَاوُدَ: ٣٣١٠، وَأَحْمَدُ: ٢٣٣٦)

[ترجمہ] حضرت (عبد اللہ) بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک آدمی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: "یا رسول اللہ ﷺ! میری ماں کا انتقال ہو چکاہے، اور ان پر ایک مہینہ کا روزہ تھا۔ کیا میں ان کی طرف سے ان روزوں کی قضا کر سکتا ہوں؟" آپ ﷺ نے فرمایا: «اگر تمہاری

ماں پر کوئی قرض ہوتا تو تم اسے ان کی طرف سے ادا کرتے یا نہیں ؟» اس آدمی نے کہا : "ہاں۔" آپ ﷺ نے فرمایا : «پھر تو اللہ کا قرض ادائیگی کا زیادہ حقدار ہے۔» (صحیح بخاری، صحیح مسلم، مسند احمد)

[شرح] اس حدیث میں آپ ﷺ نے حقوق اللہ کی مثال حقوق العباد سے دی ہے، اور دو متشابہ چیزوں کا ایک ہی حکم بتایاہے۔ مقصود یہ ہے کہ جس طرح میت کا قرض (روپیہ پیسہ وغیرہ) جو حقوق العباد میں سے ہے ولی پر ادا کرنا ضروری ہے، اسی طرح روزہ بھی جو حقوق اللہ میں سے ہے ولی پر ادا کرنا ضروری ہے، بلکہ حقوق اللہ کی ادائیگی اور زیادہ ضروری ہے۔ لہٰذا اگر کسی آدمی پر روزہ رکھنا لازم تھا، مگر وہ مرض یا سفر وغیرہ کی وجہ سے نہ رکھ سکا، اور اسی حال میں مر گیا، تو اس میت کے ورثاء اس کی طرف سے ہر دن کے روزہ کے بدلہ میں روزہ رکھیں گے، یا فدیہ ادا کریں گے جیسا کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث میں قضا سے فدیہ ہی مراد لیاہے کیوں کہ معذورین کے حق میں فدیہ ہی روزہ کا بدل ہے۔ ایک دوسری حدیث میں اسی طرح کی مثال حج کے متعلق آئی ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ قبیلہ جہینہ کی ایک عورت نبی ﷺ کی خدمت میں آئی اور عرض کی کہ میری ماں نے حج کی نذر مان رکھی تھی، لیکن وہ حج نہ کر سکی، اور مر گئی۔ تو کیا میں ان کی طرف سے حج کر سکتی ہوں ؟ آپ ﷺ نے فرمایا : «ہاں اس کی طرف سے حج کرو۔ دیکھو ! اگر تمہاری ماں پر قرض ہوتا تو کیا تو ادا نہ کرتی ! ؟ اللہ کا حق ادا کیا کرو، کیوں کہ اللہ زیادہ مستحق ہیں کہ ان کا حق ادا کیا جائے۔» (صحیح بخاری : ۱۸۵۲)۔

*****

٤٤ – عَنْ أَبِي أَيُّوبَ الأَنْصَارِيِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: « مَنْ صَامَ رَمَضَانَ، ثُمَّ أَتْبَعَهُ سِتًّا مِنْ شَوَّالٍ، كَانَ كَصِيَامِ الدَّهْرِ ». رَوَاهُ مُسْلِمٌ:١١٦٤، وأَبُو دَاوُدَ:٢٤٣٣، والتِّرْمِذِيُّ:٧٥٩، وابْنُ مَاجَهْ:١٧١٦، وَأَحْمَدُ: ٢٣٥٣٣)

[ترجمہ] حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: « جس نے رمضان کے روزے رکھے، پھر شوال کے چھ روزے رکھے، تو وہ ہمیشہ روزہ رکھنے کی طرح ہے۔» (صحیح مسلم، سنن ابو داؤد، جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ، مسند احمد)

[شرح] رمضان کے مہینہ کا فرض روزہ اوراس کے بعد شوال کے مہینہ کا چھ نفلی روزہ اجر وثواب میں سال بھر روزہ رکھنے کی طرح ہے۔ اس اجر وثواب کا تعلق قیاسی مثال سے ہے کہ اللہ تعالی ایک نیکی کا بدلہ کم از کم دس نیکیوں سے عطا فرماتے ہیں۔ اس لیے رمضان کا تیس روزہ اور شوال کا چھ روزہ مل کر کل چھتیس روزہ ہوئے۔ چھتیس روزوں کے اجر و ثواب کو دس گنا کیا جائے تو تین سو ساٹھ روزوں کا اجر و ثواب بنتا ہے۔ عربی مہینہ کے لحاظ سے تین سو ساٹھ دن کا ایک سال ہوتا ہے۔ لہٰذا جو شخص ہر سال پابندی سے رمضان کا روزہ اور شوال کا چھ روزہ رکھتا ہے وہ اجر و ثواب حاصل کرنے میں ایسا ہے جیسا کہ وہ شخص جو عمر بھر سال کے ہر دن روزہ رکھتا ہے۔ ایک اور حدیث میں اسی طرح کی فضیلت، ہر مہینہ میں تین دن روزہ رکھنے کے بارے میں بھی آئی ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: « ہر ماہ تین دن روزے رکھا کرو، کیوں کہ ہر نیکی کا دس

گنا اجر ہے، اور یہ عمر بھر روزے رکھنے کے مثل ہے۔» (صحیح بخاری: ۱۹۷۶) یعنی ایک مہینہ کے تین روزوں کے اجر کو اگر دس گنا کیا جائے تو تیس روزوں کا اجر بنتا ہے۔ لہٰذا جو شخص ہر مہینہ پابندی سے تین روزے رکھتا ہے، وہ اجر و ثواب حاصل کرنے میں ایسا ہے جیسا کہ وہ شخص جو زندگی بھر مہینہ کے ہر دن روزہ رکھتا ہے۔

*****

حج و عمرہ کی مثالیں

٤٥ - عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: « تَابِعُوا بَيْنَ الْحَجِّ وَالْعُمْرَةِ، فَإِنَّهُمَا يَنْفِيَانِ الْفَقْرَ وَالذُّنُوبَ، كَمَا يَنْفِي الْكِيرُ خَبَثَ الْحَدِيدِ وَالذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ، وَلَيْسَ لِلْحَجَّةِ الْمَبْرُورَةِ ثَوَابٌ إِلَّا الْجَنَّةُ ». (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ: ٨١٠، وقَالَ: حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ غَرِيبٌ، وَالنَّسَائِيُّ: ٢٦٣١، وابْنُ مَاجَهْ: ٢٨٨٧، وَأَحْمَدُ: ٣٦٦٩)

[ترجمہ] حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «حج اور عمرہ پے در پے کیا کرو، کیونکہ یہ دونوں فقر اور گناہوں کو اس طرح دور کر دیتے ہیں، جس طرح آگ کی بھٹی لوہے، سونے اور چاندی کے میل کچیل دور کر دیتی ہے۔ اور حجِ مقبول کا ثواب جنت کے سوا کچھ نہیں۔» (جامع ترمذی، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ، مسند احمد)

[شرح] اسلام کے پانچ بنیادی ارکان میں سے ایک رکن حج بھی ہے۔ عمر بھر میں ایک بار حج کرنا فرض ہے، جب کہ وہ تمام شرائط پائی جائیں جن سے حج فرض ہوتا ہے، اور عمرہ کرنا سنت ہے۔ اس حدیثِ پاک میں حج اور عمرہ دونوں کرنے کا حکم دیا

گیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ حج کے ساتھ عمرہ بھی کیا کرو، یا یہ کہ حج اور عمرہ ایک کے بعد ایک کرتے رہا کرو۔ حج و عمرہ کی بے شمار فضیلتیں ہیں ان میں سے ایک فضیلت یہ ہے کہ یہ دونوں فقر اور گناہوں کو اس طرح ختم کردیتے ہیں، جیسے آگ کی بھٹی لوہے کے میل کچیل ختم کردیتی ہے۔ یعنی حج و عمرہ آگ کی بھٹی کی طرح ہیں، اور فقر اور گناہ لوہے کی میل وکچیل کی طرح۔ چنانچہ جس طرح آگ کی بھٹی لوہے کی میل وکچیل صاف کردیتی ہے، اسی طرح حج و عمرہ فقر اور گناہ کو صاف کردیتے ہیں۔ فقر کے دور ہونے سے مراد یہ ہے کہ اللہ تبارک و تعالی اپنے فضل وکرم سے حاجی کو مال دار بنادیتے ہیں، یا یہ کہ اس کے دل کو غنی کردیتے ہیں۔ اور حجِ مقبول سے مراد یہ ہے کہ حج کو تمام شرائط وآداب کے ساتھ ادا کیا جائے تو اس کے بدلہ میں حاجی کے لیے جنت ہے۔

*****

٤٦- عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: «مَنْ حَجَّ لِلّٰهِ فَلَمْ يَرْفُثْ، وَلَمْ يَفْسُقْ، رَجَعَ كَيَوْمِ وَلَدَتْهُ أُمُّهُ» (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ: ١٥٢١، وَمُسْلِمٌ: ١٣٥٠، وَالنَّسَائِيُّ: ٢٦٢٧، وابْنُ مَاجَهْ: ٢٨٨٩، وَأَحْمَدُ: ٧١٣٦)

[ترجمہ] حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ: «جو شخص اللہ کے لیے حج کرے، اس میں کوئی فحش بات نہ کرے، اور نہ کوئی برا کام کرے، تو وہ (اپنے گناہوں سے اس طرح پاک ہو کر) لوٹتا ہے، جیسا کہ اس دن تھا جس دن اس کی ماں نے اسے جنا تھا۔» (صحیح بخاری، صحیح

مسلم، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ، مسند احمد)

[شرح] مطلب یہ ہے کہ جو شخص صرف اللہ عزّ وجلّ کی رضا کے لیے حج کرتا ہے، اور دورانِ حج کسی قسم کے گناہ کا ارتکاب بھی نہیں کرتا، تو ایسے حاجی کے پچھلے تمام گناہ معاف کردیے جاتے ہیں، اور حج کے بعد وہ اپنے گناہوں سے اس طرح پاک صاف ہوکر اپنے گھر لوٹتا ہے، جس طرح کہ وہ اس دن گناہوں سے پاک صاف تھا جس دن اس کی ماں نے اسے جنا تھا۔ صغیرہ اور کبیرہ گناہوں کی معافی اللہ تعالی کے اختیار میں ہے، وہ چاہیں تو حج سے صرف صغیرہ گناہ معاف کریں، اور چاہیں تو صغیرہ اور کبیرہ دونوں معاف کردیں۔

*****

قرآن پڑھنے والوں کی مثالیں

٤٧ – عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: « أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ إِذَا رَجَعَ إِلَى أَهْلِهِ أَنْ يَجِدَ فِيهِ ثَلاَثَ خَلِفَاتٍ عِظَامٍ سِمَانٍ؟ ». قُلْنَا: نَعَمْ، قَالَ: « فَثَلاَثُ آيَاتٍ يَقْرَأُ بِهِنَّ أَحَدُكُمْ فِي صَلاَتِهِ خَيْرٌ لَهُ مِنْ ثَلاَثِ خَلِفَاتٍ عِظَامٍ سِمَانٍ ». (رَوَاهُ مُسْلِمٌ:٨٠٢، وابْنُ مَاجَهْ:٣٧٨٢، وَأَحْمَدُ:٩١٥٢)

[ترجمہ] حضرت ابو ھریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «کیا تم میں سے کسی کو یہ پسند ہے کہ جب وہ اپنے گھر والوں کے پاس آئے، تو وہاں اسے تین حاملہ بڑی اور موٹی اونٹنیاں ملیں؟» ہم نے عرض کیا: "جی ہاں۔" آپ ﷺ نے فرمایا: «تم میں سے جو کوئی اپنی نماز میں تین آیتیں پڑھتا ہے وہ اس

کے لیے تین حاملہ بڑی اور موٹی اونٹنیوں سے بہتر ہیں۔» (صحیح مسلم، سنن ابن ماجہ، مسند احمدؒ)

[شرح] نماز میں قرآنِ کریم کی تلاوت کی فضیلت سمجھانے کے لیے، رسولِ اکرم ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کے سامنے بطورِ تمثیل اونٹنی کا ذکر فرمایا، کیوں کہ ان کے نزدیک اونٹنی بہت قیمتی چیز تھی، اور آج بھی ایک اچھی اونٹنی کی قیمت ایک لاکھ روپیہ سے زیادہ ہے۔ قرآن کریم کے بے شمار فضائل ہیں، خصوصاً جب کہ اسے نماز میں پڑھا جائے، جیسا کہ اس حدیث میں ہے کہ نماز میں تین آیتوں کی تلاوت کا اجر وثواب تین تندرست اور گابھن اونٹنیوں کے مل جانے سے بہتر ہے۔ اور چار آیتوں کا ثواب چار اونٹنیوں سے بہتر ہے۔ اسی طرح اور آیتوں کے ثواب کو اونٹنیوں کی تعداد پر قیاس کر لیا جائے۔ اس لیے اگر کوئی نمازِ فجر میں کم از کم ساٹھ آیتیں تلاوت کرتا ہے، تو اس تلاوت کی اہمیت اور اس کی قیمت ساٹھ عمدہ اونٹنیوں سے بھی زیادہ ہے (سبحان اللہ)۔ ایک حدیث میں ہے کہ «نبی پاک ﷺ نمازِ فجر میں ساٹھ سے سو آیتوں تک تلاوت فرماتے تھے۔» (صحیح مسلم: ۴۶۱)

*****

٤٨ – عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، قَالَ: خَرَجَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَنَحْنُ فِي الصُّفَّةِ، فَقَالَ: « أَيُّكُمْ يُحِبُّ أَنْ يَغْدُوَ كُلَّ يَوْمٍ إِلَى بُطْحَانَ، أَوْ إِلَى الْعَقِيقِ، فَيَأْتِيَ مِنْهُ بِنَاقَتَيْنِ كَوْمَاوَيْنِ فِي غَيْرِ إِثْمٍ، وَلاَ قَطْعِ رَحِمٍ؟ ». فَقُلْنَا: يَا رَسُولَ اللهِ نُحِبُّ ذَلِكَ، قَالَ: « أَفَلاَ يَغْدُو أَحَدُكُمْ إِلَى الْمَسْجِدِ، فَيَعْلَمَ أَوْ يَقْرَأَ آيَتَيْنِ مِنْ كِتَابِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ خَيْرٌ لَهُ مِنْ نَاقَتَيْنِ، وَثَلاَثٌ خَيْرٌ

لَهُ مِنْ ثَلَاثٍ، وَأَرْبَعٌ خَيْرٌ لَهُ مِنْ أَرْبَعٍ، وَمِنْ أَعْدَادِهِنَّ مِنَ الإِبِلِ ». (رَوَاهُ مُسْلِمٌ: ٨٠٣، وأَبُو دَاوُدَ: ١٤٥٦، وَأَحْمَدُ: ١٧٤٠٨)

[ترجمہ] حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم صفہ چبوترے پر بیٹھے ہوئے تھے کہ رسول اللہ ﷺ باہر تشریف لائے اور فرمایا: «تم میں سے کون یہ پسند کرتا ہے کہ وہ روزآنہ صبح بطحان یا عقیق جائے، پھر وہاں سے بغیر کسی گناہ اور بغیر کسی قطع رحمی کے دو اونٹنیاں موٹے کوہان والی لے آئے؟» ہم نے عرض کیا: "یا رسول اللہ! اسے تو ہم سب پسند کرتے ہیں۔" آپ ﷺ نے فرمایا: «تم میں سے کوئی صبح مسجد کیوں نہیں چلا جاتا کہ اللہ عزوجل کی کتاب سے دو آیتیں سیکھے یا پڑھے۔ یہ اس کے لیے دو اونٹنیوں سے بہتر ہے۔ اور تین، اس کے لیے تین سے بہتر ہے، اور چار اس کے لیے چار سے بہتر ہے، اور (اسی طرح) ان (آیتوں) کی تعداد اونٹنیوں کی تعداد سے بہتر ہے۔» (صحیح مسلم، سنن ابو داؤد، مسند احمد)

[شرح] "صفہ" مسجدِ نبوی کے سامنے بنا ہوا ایک چبوترہ تھا جہاں بیٹھ کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم دین کی باتیں سیکھا کرتے تھے۔ "بطحان" مدینہ کے قریب ایک جگہ تھی، اور "عقیق" بھی مدینہ سے تھوڑا فاصلہ پر ایک جگہ کا نام ہے۔ ان دونوں جگہوں پر اس زمانہ میں اونٹوں کا بازار لگتا تھا، اس لیے رسولِ اعظم ﷺ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے بطورِ تمثیل وہاں کی قیمتی اونٹنیوں کا ذکر فرمایا، تاکہ انہیں خوب اچھی طرح سمجھ میں آجائے کہ بازار کے مقابلہ میں مسجد جاکر قرآن کی چند آیتیں سیکھنے سکھانے یا پڑھنے پڑھانے کی فضیلت کیا ہے؟ مثال کا حاصل یہ کہ مسجد میں جاکر دو آیتیں سیکھنے سکھانے یا پڑھنے پڑھانے کا ثواب دو قیمتی اونٹنیاں مل

جانے سے بہتر ہے۔ اور تین آیتوں کا ثواب تین اونٹنیوں سے بہتر ہے اور چار آیتوں کا ثواب چار اونٹنیوں سے بہتر ہے۔ اسی طرح سے اور آیتوں کے عدد کو اور اونٹنیوں کے عدد پر قیاس کر لیا جائے۔

*****

٤٩ – عَنِ النَّوَّاسَ بْنِ سَمْعَانَ الْكِلاَبِي رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُولُ: « يُؤْتَى بِالْقُرْآنِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَأَهْلِهِ الَّذِينَ كَانُوا يَعْمَلُونَ بِهِ، تَقْدُمُهُ سُورَةُ الْبَقَرَةِ وَآلُ عِمْرَانَ ». وَضَرَبَ لَهُمَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلاَثَةَ أَمْثَالٍ، مَا نَسِيتُهُنَّ بَعْدُ، قَالَ: «كَأَنَّهُمَا غَمَامَتَانِ، أَوْ ظُلَّتَانِ سَوْدَاوَانِ، بَيْنَهُمَا شَرْقٌ، أَوْ كَأَنَّهُمَا حِزْقَانِ مِنْ طَيْرٍ صَوَافَّ، تُحَاجَّانِ عَنْ صَاحِبِهِمَا ». (رَوَاهُ مُسْلِمٌ:٨٠٥، والتِّرْمِذِيُّ:٢٨٨٣، وَأَحْمَدُ:١٧٦٣٧)

[ترجمہ] حضرت نواس بن سمعان کلابی رضی اللہ عنہ سے کہتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: «قیامت کے دن قرآن اور قرآن والوں کو جو اس پر عمل کرتے تھے، لایا جائے گا۔ ان کے آگے آگے سورۂ بقرہ اور سورۂ آل عمران ہونگی۔» اور رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں کی تین مثالیں دیں جنہیں میں ابھی تک نہیں بھولا، فرمایا: «جیسا کہ وہ دونوں (سورتیں) بادل کے دو ٹکڑے ہوں، یا دو سیاہ سائبان ہوں جن کے درمیان نور کی چمک ہو، یا صف باندھے پرندوں کے دو غول ہوں۔ وہ اپنے پڑھنے والوں کی طرف سے دفاع کریں گی۔» (صحیح مسلم، جامع ترمذی، مسند احمد)

[شرح] قیامت کے روز قرآن کی تلاوت اور اس پر عمل کے اجر وثواب کو

ایک ظاہری صورت اور حِسی شکل میں لایا جائے گا۔ قرآن کی دیگر سورتوں کے مقابلہ میں سورۂ بقرہ اور سورۂ آلِ عمران آگے آگے ہونگی۔ حدیثِ پاک میں ان دونوں سورتوں کی تین مثالیں دی گئیں ہیں۔ اول یہ کہ دونوں سورتیں بادل کے دو ٹکڑے کی طرح سایہ دار ہوں گی۔ دوسری یہ کہ یہ دونوں سورتیں دو سیاہ سائبان یعنی چھتری کی طرح سایہ فگن ہوں گی، اور ان کے درمیان ایک خاص قسم کی روشنی بھی ہو گی۔ اور تیسری یہ کہ یہ دونوں سورتیں صف باندھے پرندوں کے دو غول کی طرح آکر سایہ کریں گی۔ یہ دونوں سورتیں ان شکلوں میں آکر اپنے پڑھنے والوں اور ان پر عمل کرنے والوں کو روزِ محشر کی تیز گرمی سے بچائیں گی اور اللہ غفور رحیم سے سفارش بھی کریں گی کہ ان لوگوں کو معاف کیا جائے۔

*****

٥٠ – عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ الْجُهَنِيِّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «الْجَاهِرُ بِالْقُرْآنِ كَالْجَاهِرِ بِالصَّدَقَةِ، وَالْمُسِرُّ بِالْقُرْآنِ كَالْمُسِرِّ بِالصَّدَقَةِ ». (رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ:١٣٣٣، والتِّرْمِذِيُّ:٢٩١٩، وقَالَ: حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ، وَالنَّسَائِيُّ:٢٥٦١، وَأَحْمَدُ:١٧٣٦٧، وَقَالَ شُعَيْب الأَرْنَؤوط: إِسْنَادُهُ صَحِيْحٌ)

[ترجمہ] حضرت عقبہ بن عامر جُہنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «قرآن آواز سے پڑھنے والا، علانیہ صدقہ کرنے والے کی طرح ہے۔ اور آہستہ پڑھنے والا، چھپا کر صدقہ کرنے والے کی طرح ہے۔» (سنن ابو داؤد، جامع ترمذی، سنن نسائی، مسند احمد)

[شرح] قرآنِ کریم کی تلاوت قولی عبادت ہے، اور صدقہ مالی عبادت ہے۔ چنانچہ ان دونوں میں ایک طرح کی مماثلت پائی جاتی ہے، اس لیے جس طرح صدقہ کا شوق دلانے کی نیت سے اعلانیہ صدقہ کرنا افضل ہے، اور ریا سے بچنے کی نیت سے چھپا کر صدقہ کرنا افضل ہے، اسی طرح قرآن کی تلاوت بھی ہے کہ سنانے یا سکھانے کی نیت سے بآوازِ بلند پڑھنا افضل ہے، اور اگر لوگ نماز یا تعلیم وغیرہ میں مشغول ہوں تو وہاں آہستہ پڑھنا افضل ہے۔

*****

٥١- عَنْ أَبِي مُوسَى (الْأَشْعَرِيِّ) رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: « مَثَلُ الْمُؤْمِنِ الَّذِي يَقْرَأُ الْقُرْآنَ كَالْأُتْرُجَّةِ، طَعْمُهَا طَيِّبٌ وَرِيحُهَا طَيِّبٌ، وَمَثَلُ الَّذِي لَا يَقْرَأُ كَالتَّمْرَةِ، طَعْمُهَا طَيِّبٌ وَلَا رِيحَ لَهَا، وَمَثَلُ الْفَاجِرِ الَّذِي يَقْرَأُ الْقُرْآنَ كَمَثَلِ الرَّيْحَانَةِ، رِيحُهَا طَيِّبٌ وَطَعْمُهَا مُرٌّ، وَمَثَلُ الْفَاجِرِ الَّذِي لَا يَقْرَأُ الْقُرْآنَ كَمَثَلِ الْحَنْظَلَةِ، طَعْمُهَا مُرٌّ وَلَا رِيحَ لَهَا». (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ: ٧٥٦٠، وَمُسْلِمٌ: ٧٩٧، والتِّرْمِذِيُّ: ٢٨٦٥، وَالنَّسَائِيُّ: ٥٠٣٨، وابْنُ مَاجَهْ: ٢١٤، وَأَحْمَدُ: ١٩٦١٤)

[ترجمہ] حضرت ابو موسیٰ (اشعری) رضی اللہ عنہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: «اس مؤمن کی مثال جو قرآن پڑھتا ہے ترنج کی طرح ہے کہ اس کا ذائقہ بھی اچھا ہے، اور اس کی خوشبو بھی اچھی ہے۔ اور اس (مؤمن) کی مثال جو قرآن نہیں پڑھتا ہے کھجور کی طرح ہے کہ اس کا ذائقہ تو میٹھا ہے، لیکن اس میں خوشبو نہیں ہے۔ اور اس گناہ گار کی مثال جو قرآن پڑھتا ہے ریحانہ

پھل کی طرح ہے کہ اس کی خوشبو تو اچھی ہے، لیکن اس کا ذائقہ کڑوا ہے۔ اور اس گناہ گار کی مثال جو قرآن نہیں پڑھتا ہے اندرائن کی طرح ہے کہ اس کا ذائقہ بھی کڑوا ہے، اور اس میں خوشبو بھی نہیں ہے۔» (صحیح بخاری، صحیح مسلم، جامع ترمذی، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ، مسند احمد)

[شرح] اس حدیث میں چار قسم کے لوگوں کی مثال دی گئی ہے: (۱) وہ مؤمن جو قرآن کی تلاوت بھی کرتا ہے اور اس پر عمل بھی کرتا ہے، اس کی مثال ایسی ہے جیسے ترنج (چکوترہ) کا پھل جس میں لذت بھی ہے، اور خوشبو بھی عمدہ ہے۔ اسی طرح اس مؤمن میں تلاوت کی خوشبو بھی ہے، اور عمل کی لذت بھی ہے۔ (۲) اور جو مؤمن قرآن پر عمل تو کرتا ہے، لیکن اس کی تلاوت نہیں کرتا، اس کی مثال ایسی ہے جیسے کھجور جس میں ذائقہ تو میٹھا ہے، لیکن خوشبو نہیں ہے۔ اسی طرح اس مؤمن میں عمل کی لذت تو ہے، لیکن تلاوت کی خوشبو نہیں ہے۔ (۳) اور وہ گناہ گار جو قرآن کی تلاوت تو کرتا ہے، لیکن اس پر عمل نہیں کرتا، اس کی مثال ایسی ہے جیسے ریحانہ کا پھل جس میں خوشبو عمدہ ہے، لیکن مزہ کڑوا ہے۔ اسی طرح اس گناہ گار میں تلاوت کی خوشبو تو ہے، لیکن عمل کی لذت نہیں ہے۔ (۴) اور وہ گناہ گار آدمی جو نہ تو قرآن کی تلاوت کرتا ہے، اور نہ ہی اس پر عمل کرتا ہے، اس کی مثال ایسی ہے جیسے اندرائن کا پھل جس میں خوشبو بھی نہیں ہے، اور مزہ بھی کڑوا ہے۔ اسی طرح اس گناہ گار میں نہ عمل کی لذت ہے اور نہ تلاوت کی خوشبو ہے۔

*****

٥٢ - عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ:

« إِنَّمَا مَثَلُ صَاحِبِ الْقُرْآنِ، كَمَثَلِ صَاحِبِ الإِبِلِ الْمُعَقَّلَةِ، إِنْ عَاهَدَ عَلَيْهَا أَمْسَكَهَا، وَإِنْ أَطْلَقَهَا ذَهَبَتْ ». (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ: ٥٠٣١، وَمُسْلِمٌ: ٧٨٩، وَالنَّسَائِيُّ: ٩٤٢، وَابْنُ مَاجَهْ: ٣٧٨٣، وَأَحْمَدُ: ٤٦٦٥)

[ترجمہ] حضرت (عبد اللہ) بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: « صاحبِ قرآن کی مثال اس شخص کی طرح ہے جسکا اونٹ بندھا ہوا ہو۔ اگر وہ (شخص) اسے باندھ کر رکھے تو اسے قابو میں رکھتا ہے، اور اگر اسے کھول کر چھوڑ دے تو وہ بھاگ جاتا ہے۔» (صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ، مسند احمد)

[شرح] قرآنِ کریم کے بے شمار فضائل ہیں۔ مگر ان فضائل کو وہی شخص حاصل کر سکتا ہے جو اس میں ہمیشہ لگا رہتا ہو۔ چنانچہ اگر کوئی شخص پورا قرآن یا اس کا کچھ حصہ حفظ کر کے غافل ہو جائے، اور اس کی برابر تلاوت نہ کرے تو قرآن اس کے سینہ سے نکل جائے گا۔ اس سے غافل ہونے والے کی مثال ایسی ہے جیسے اونٹ کا نگہ بان یا اسکا مالک کہ اگر وہ اپنے اونٹ کی رسی کھول کر اس سے غافل ہو جائے تو اس کا اونٹ بھاگ جاتا ہے، اور اگر اسے باندھے رکھے تو وہ اپنی جگہ پڑا رہتا ہے اور اپنے مالک کے قابو میں رہتا ہے، اسی طرح صاحبِ قرآن یا حافظِ قرآن بھی ہے کہ اگر وہ قرآن کی برابر تلاوت کرتا ہے تو وہ اسے اپنے سینہ میں محفوظ رکھتا ہے، اور اگر اس کی تلاوت کرنا چھوڑ دے تو قرآن اس کے سینہ سے نکل جاتا ہے۔

*****

ذکر کرنے والوں کی مثالیں

٥٣- عَنْ أَبِي مُوسَى رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ النَّبِي صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: « مَثَلُ الَّذِي يَذْكُرُ رَبَّهُ وَالَّذِي لاَ يَذْكُرُ رَبَّهُ، مَثَلُ الْحَيِّ وَالْمَيِّتِ ». (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ: ٦٤٠٧)

[ترجمہ] حضرت ابو موسی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: «اس شخص کی مثال جو اپنے رب کو یاد کرتا ہے، اور اس شخص کی مثال جو اپنے رب کو یاد نہیں کرتا ہے، زندہ اور مردہ کی سی ہے۔» (صحیح بخاری)

[شرح] "زندہ اور مردہ" کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح زندہ آدمی اپنی زندگی سے فائدہ اٹھاتا ہے، اسی طرح ذکر کرنے والا اللہ سبحانہ وتعالی کے ذکر سے فائدہ اٹھاتا ہے۔ اور جس طرح مردہ آدمی اپنی زندگی سے فائدہ نہیں اٹھاتا، اسی طرح غافل آدمی اللہ سبحانہ وتعالی کے ذکر سے فائدہ نہیں اٹھاتا۔ یا "زندہ اور مردہ" سے دل کا زندہ اور مردہ ہونا مراد ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالی کا ذکر کرنے سے دل زندہ رہتا ہے، اور ذکر نہ کرنے سے دل مردہ ہو جاتا ہے۔ یا "زندہ اور مردہ" سے مؤمن اور کافر مراد ہیں کہ مؤمن زندہ آدمی کی طرح ہوتا ہے کیوں کہ وہ اپنے رب کو یاد کرتا ہے، اور کافر مردہ آدمی کی طرح ہوتا ہے کیوں کہ وہ اپنے رب کو یاد نہیں کرتا۔ حاصل یہ ہے کہ جس آدمی کی زندگی میں اللہ سبحانہ وتعالی کا ذکر نہ ہو، وہ آدمی زندہ ہونے کے باوجود مردہ ہے۔

*****

٥٤ – عَنْ أَبِي مُوسَى رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِي صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: « مَثَلُ الْبَيْتِ الَّذِي يُذْكَرُ اللهُ فِيهِ وَالْبَيْتِ الَّذِي لاَ يُذْكَرُ اللهُ فِيهِ، مَثَلُ الْحَيِّ وَالْمَيِّتِ ». (رَوَاهُ مُسْلِمٌ: ٧٧٩)

[ترجمہ] حضرت ابو موسی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: «اس گھر کی مثال جس میں اللہ تعالی کا ذکر کیا جاتا ہے، اور اس گھر کی مثال جس میں اللہ تعالی کا ذکر نہیں کیا جاتا ہے، زندہ اور مردہ کی طرح ہے۔» (صحیح مسلم)

[شرح] مطلب یہ ہے کہ گھر کی آبادی اور اس کی ویرانی کا تعلق اللہ سبحانہ وتعالی کا ذکر کرنے اور نہ کرنے سے ہے۔ جس گھر میں اللہ سبحانہ وتعالی کا ذکر کیا جاتا ہے وہ گھر زندوں کے گھر کی طرح ہوتا ہے، اور جس گھر میں اللہ سبحانہ وتعالی کا ذکر نہیں کیا جاتا ہے وہ گھر مردوں کے گھر کی طرح ہوتا ہے، یعنی مقبرہ کی طرح ہوتا ہے۔ ایک حدیث میں رسولِ پاک ﷺ نے فرمایا: «اپنے گھروں کو مقبرے مت بناؤ۔» (صحیح مسلم: ۷۸۰)۔ یعنی جس طرح مقبرے اللہ سبحانہ وتعالی کی عبادت اور ذکر وتلاوت سے خالی ہوتے ہیں، اس طرح تم لوگ اپنے گھروں کو ان چیزوں سے خالی مت رکھو، بلکہ اس میں نماز، تلاوت اور ذکر وغیرہ جیسی عبادت کرتے رہا کرو۔

*****

٥٥ – عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: « مَا مِنْ قَوْمٍ يَقُومُونَ مِنْ مَجْلِسٍ لاَ يَذْكُرُونَ اللهَ فِيهِ، إِلاَّ قَامُوا عَنْ مِثْلِ جِيفَةِ حِمَارٍ، وَكَانَ لَهُمْ حَسْرَةً ». رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ:٤٨٥٥، وَأَحْمَدُ: ٩٠٥٢، وَقَالَ شُعَيْب الأَرْنَؤوط: إِسْنَادُهُ صَحِيْحٌ عَلَى شَرْطِ مُسْلِمٍ)

[ترجمہ] حضرت ابو ھریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «جو لوگ کسی ایسی مجلس سے اٹھتے ہیں جس میں وہ لوگ اللہ کا ذکر نہیں کرتے، تو وہ لوگ (گویا کہ) کسی مردار گدھے کی لاش سے اٹھے ہیں، اور وہ (مجلس) ان کے لیے باعثِ حسرت ہوگی۔» (سنن ابو داؤد، مسند احمد، مستدرک حاکم)

[شرح] یعنی جس مجلس میں اللہ سبحانہ وتعالی کا ذکر نہ ہو اس مجلس کی مثال ایسی ہے جیسے مردار گدھے کی لاش۔ اور وہاں سے جدا ہونے والے لوگ ایسے ہیں جیسے مردار کھاکر اٹھنے والے۔ اور قیامت کے روز جب حساب وکتاب ہوگا تو ایسی مجلس میں شریک ہونے والوں کو اپنے اوپر بہت افسوس ہوگا، کیوں کہ ایسی مجلسوں میں جہاں اللہ کی بات نہ ہو عموماً بہت سی لغو باتیں بھی پیش آجاتی ہیں۔ اس لیے حدیثِ پاک میں آیاہے کہ مجلس سے کھڑے ہونے سے پہلے اگر یہ دعاپڑھ لی جائے: «سُبْحَانَکَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِکَ، أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ، أَسْتَغْفِرُکَ وَأَتُوبُ إِلَيْکَ» تو اس مجلس میں جو لغو باتیں ہوتی ہیں وہ معاف کر دی جاتی ہیں۔ (جامع ترمذی: ۳۴۳۳)

*****

٥٦ – عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا، أَنَّ النَّبِي صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُولُ: «... اللهُمَّ اغْسِلْ خَطَايَایَ بِمَاءِ الثَّلْجِ وَالْبَرَدِ، وَنَقِّ قَلْبِي مِنَ الْخَطَايَا، كَمَا يُنَقَّى الثَّوْبُ الأَبْيَضُ مِنَ الدَّنَسِ، وَبَاعِدْ بَيْنِي وَبَيْنَ خَطَايَایَ كَمَا بَاعَدْتَ بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ ». (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ:٦٣٧٥، وَمُسْلِمٌ:٥٨٩، والتِّرْمِذِيُّ: ٣٤٩٥، وَالنَّسَائِيُّ:٥٤٦٦، وابْنُ مَاجَهْ:٣٨٣٨، وَأَحْمَدُ: ٢٤٣٠١)

[ترجمہ] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ یہ دعا کیا کرتے تھے: «اے اللہ! آپ میری لغزشیں برف اور اولے کے پانی سے دھو دیں۔ اور میرا دل خطاؤں سے اس طرح پاک وصاف کردیں، جس طرح سفید کپڑا گندگی سے پاک صاف کیا جاتاہے۔ اور میرے اور میری خطاؤں کے مابین ویسی ہی دوری کردیں، جیسی دوری آپ نے مشرق اور مغرب کے درمیان کی ہے۔» (صحیح بخاری، صحیح مسلم، جامع ترمذی، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ، مسند احمد)

[شرح] آپ ﷺ کی اس دعاء کا مفہوم یہ ہے کہ اے اللہ! آپ اپنے فضل وکرم سے مجھے گناہوں سے اس طرح پاک وصاف رکھیں، جس طرح کہ کسی چیز کو برف اور اولے کے صاف پانی سے دھل کر رکھا جاتا ہے۔ اور آپ میرا دل وسوسہ، حسد، کینہ اور بغض وغیرہ جیسی بیماریوں سے اس طرح پاک وصاف رکھیں، جس طرح سفید کپڑا گندگیوں سے پاک و صاف رکھا جاتا ہے، کہ میرا دل بے داغ سفید کپڑے کے مثل رہے۔ اور اے اللہ! آپ نے جس طرح کی دوری مشرق اور مغرب کے مابین رکھی ہے، اسی طرح کی دوری میرے اور میری خطاؤں کے درمیان رکھیں کہ گناہوں سے میرا دور کا بھی کوئی واسطہ نہ ہو۔

*****

٥٧ - عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: « لاَ يَلِجُ النَّارَ رَجُلٌ بَكَى مِنْ خَشْيَةِ اللهِ، حَتَّى يَعُودَ اللَّبَنُ فِي الضَّرْعِ، وَلا يَجْتَمِعُ غُبَارٌ فِي سبيلِ اللهِ وَدُخَانُ جَهَنَّمَ ». (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ:١٦٣٣، وقَالَ: حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ، وَالنَّسَائِيُّ:٣١٠٨، وَأَحْمَدُ:١٠٥٦٠، وَقَالَ شُعَيْب

الأَرْنَؤوط: إِسْنَادُهُ صَحِيْحٌ)

[ترجمہ] حضرت ابو ھریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «جو شخص اللہ کے خوف سے روئے وہ جہنم میں نہ جائے گا، یہاں تک کہ دودھ تھنوں میں واپس چلا جائے۔ اور اللہ کے راستے کا غبار اور جہنم کا دھواں جمع نہیں ہو سکتے۔» (جامع ترمذی، سنن نسائی، مسند احمد)

[شرح] اگر کوئی مسلمان اللہ تبارک وتعالی کو یاد کرتا ہے اور اپنی کوتاہیوں پر اس کے عذاب کے خوف سے روتا ہے تو اس مسلمان کی مغفرت کر دی جاتی ہے اور اس کا جہنم میں جانا محال اور ناممکن ہو جاتا ہے۔ اس کی مثال یہ دی گئی کہ جس طرح جانور کے تھن سے نکالا گیا دودھ، دوبارہ اسی تھن میں واپس نہیں جا سکتا، اسی طرح اللہ تبارک وتعالی کے خوف سے رونے والا مسلمان بھی جہنم میں نہیں جا سکتا۔ یعنی دونوں باتیں محال ہیں نہ دودھ تھن میں واپس جا سکتا ہے، اور نہ ہی یہ مسلمان جہنم میں جا سکتا ہے۔ معلوم ہوا کہ اللہ تبارک وتعالی کے سامنے، ندامت کے چند قطرے آنسوں سارے گناہوں کو دھونے کے لیے کافی ہیں۔ اور حدیث پاک کا یہ جملہ کہ «اللہ کے راستے کا غبار اور جہنم کا دھواں ایک ساتھ جمع نہیں ہو سکتے۔» کا مطلب یہ ہے کہ جس مسلمان کا جسم اللہ تبارک وتعالی کے راستے میں غبار آلود ہوتا ہو، اس مسلمان کا جہنم میں جانا محال اور ناممکن ہے۔ ایک اور حدیثِ مبارک میں ہے کہ: «دو آنکھیں ایسی ہیں جنہیں دوزخ کی آگ نہیں چھو سکتی: ایک تو وہ آنکھ جو اللہ کے خوف سے روئی ہو، اور دوسری وہ آنکھ جو اللہ کی راہ میں پہرے دیتے ہوئے رات گزاری ہو۔» (جامع ترمذی: ۱۶۳۹)۔

*****

٥٨ - عن الْحَارِثَ الأَشْعَرِي رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، أَنَّ النَّبِي صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: « إِنَّ اللهَ أَمَرَ يَحْيَى بْنَ زَكَرِيَّا بِخَمْسِ كَلِمَاتٍ أَنْ يَعْمَلَ بِهَا وَيَأْمُرَ بني إسرائيل أَنْ يَعْمَلُوا بِهَا، وَإِنَّهُ كَادَ أَنْ يُبْطِئَ بِهَا، فَقَالَ عِيسَى: إِنَّ اللهَ أَمَرَكَ بِخَمْسِ كَلِمَاتٍ لِتَعْمَلَ بِهَا وَتَأْمُرَ بني إسرائيل أَنْ يَعْمَلُوا بِهَا، فَإِمَّا أَنْ تَأْمُرَهُمْ، وَإِمَّا أَنَا آمُرُهُمْ، فَقَالَ يَحْيَى: أَخْشَى إِنْ سَبَقْتَنِي بِهَا أَنْ يُخْسَفَ بِي أَوْ أُعَذَّبَ، فَجَمَعَ النَّاسَ فِي بَيْتِ الْمَقْدِسِ، فَامْتَلأَ الْمَسْجِدُ وَقَعَدُوا عَلَى الشُّرَفِ، فَقَالَ: إِنَّ اللهَ أَمَرَنِي بِخَمْسِ كَلِمَاتٍ أَنْ أَعْمَلَ بِهِنَّ، وَآمُرَكُمْ أَنْ تَعْمَلُوا بِهِنَّ: أَوَّلُهُنَّ أَنْ تَعْبُدُوا اللهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا، وَإِنَّ مَثَلَ مَنْ أَشْرَكَ بِاللهِ كَمَثَلِ رَجُلٍ اشْتَرَى عَبْدًا مِنْ خَالِصِ مَالِهِ بِذَهَبٍ أَوْ وَرِقٍ، فَقَالَ: هَذِهِ دَارِي وَهَذَا عَمَلِي فَاعْمَلْ وَأَدِّ إِلَيَّ، فَكَانَ يَعْمَلُ وَيُؤَدِّي إِلَى غَيْرِ سَيِّدِهِ، فَأَيُّكُمْ يَرْضَى أَنْ يَكُونَ عَبْدُهُ كَذَلِكَ؟ وَإِنَّ اللهَ أَمَرَكُمْ بِالصَّلَاةِ، فَإِذَا صَلَّيْتُمْ فَلَا تَلْتَفِتُوا فَإِنَّ اللهَ يَنْصِبُ وَجْهَهُ لِوَجْهِ عَبْدِهِ فِي صَلَاتِهِ مَا لَمْ يَلْتَفِتْ، وَآمُرُكُمْ بِالصِّيَامِ، فَإِنَّ مَثَلَ ذَلِكَ كَمَثَلِ رَجُلٍ فِي عِصَابَةٍ مَعَهُ صُرَّةٌ فِيهَا مِسْكٌ، فَكُلُّهُمْ يَعْجَبُ أَوْ يُعْجِبُهُ رِيحُهَا، وَإِنَّ رِيحَ الصَّائِمِ أَطْيَبُ عِنْدَ اللهِ مِنْ رِيحِ الْمِسْكِ، وَآمُرُكُمْ بِالصَّدَقَةِ فَإِنَّ مَثَلَ ذَلِكَ كَمَثَلِ رَجُلٍ أَسَرَهُ الْعَدُوُّ، فَأَوْثَقُوا يَدَهُ إِلَى عُنُقِهِ وَقَدَّمُوهُ لِيَضْرِبُوا عُنُقَهُ، فَقَالَ: أَنَا أَفْدِيهِ مِنْكُمْ بِالْقَلِيلِ وَالْكَثِيرِ، فَفَدَى نَفْسَهُ مِنْهُمْ، وَآمُرُكُمْ أَنْ تَذْكُرُوا اللهَ فَإِنَّ مَثَلَ ذَلِكَ كَمَثَلِ رَجُلٍ خَرَجَ الْعَدُوُّ فِي أَثَرِهِ سِرَاعًا حَتَّى إِذَا أَتَى عَلَى حِصْنٍ حَصِينٍ فَأَحْرَزَ نَفْسَهُ مِنْهُمْ، كَذَلِكَ الْعَبْدُ لَا يُحْرِزُ نَفْسَهُ مِنَ الشَّيْطَانِ إِلَّا بِذِكْرِ اللهِ...». (رَوَاهُ الترمذي ٢٨٦٣، وَقَالَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ غَرِيبٌ، وَأَحْمَدُ: ١٧١٧٠، وَقَالَ

شُعَيْب الأَرْنَؤوط: حَدِيثٌ صَحِيْحٌ، وَالْحَاكِمُ:١٥٣٤، وَقَالَ: حَدِيثٌ صَحِيحٌ عَلَى شَرْطِ الشَّيْخَيْنِ)

[ترجمہ] حضرت حارث اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: «اللہ نے یحییٰ بن زکریا (علیہ السلام) کو پانچ چیزوں کا حکم دیا کہ وہ ان پر عمل کریں، اور بنی اسرائیل کو بھی ان پر عمل کرنے کا حکم دیں۔ قریب تھا کہ یحییٰ علیہ السلام سے اس سلسلہ میں تاخیر ہوجاتی کہ عیسی (علیہ السلام) نے ان سے کہا: "اللہ نے آپ کو پانچ چیزوں کا حکم دیاہے کہ آپ ان پر عمل کریں، اور بنی اسرائیل کو بھی ان پر عمل کرنے کا حکم دیں۔ اب یا تو آپ (یہ پیغام) ان تک پہونچادیں، یا میں ہی ان تک پہونچا دیتا ہوں؟" اس پر یحییٰ علیہ السلام نے کہا: "مجھے یہ ڈر ہے کہ اگر آپ ان (پیغام) کو پہنچانے میں مجھ پر سبقت لے گئے تو مجھے دھنسادیا جائے گا، یا میں کسی اور عذاب میں مبتلا ہوجاؤں گا۔" لہٰذا یحییٰ علیہ السلام نے لوگوں کو بیت المقدس میں جمع کیا، پوری مسجد بھر گئی، اور (بقیہ) لوگ اونچی جگہوں پر بیٹھ گئے، پھر فرمایا: "اللہ نے مجھے پانچ چیزوں کا حکم دیا ہے کہ میں خود بھی ان پر عمل کروں، اور تم لوگوں کو بھی ان پر عمل کرنے کا حکم دوں۔ ان میں سب سے پہلی چیز تو یہ ہے کہ تم لوگ صرف ایک اللہ کی عبادت کرو، اور ان کے ساتھ کسی کو شریک مت ٹھہراؤ۔ کیوں کہ جو شخص اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کرتا ہے، اس کی مثال ایسی ہے جیسے کسی آمی نے اپنے خالص مال، سونے یا چاندی، سے ایک غلام خریدا ہو، پھر اس سے کہا ہو کہ یہ میرا گھر ہے، اور یہ میرا کام ہے، لہٰذا تم یہ کام کرو اور کما کر مجھے دو۔ وہ کام کرنے لگا، اور منافع اپنے آقا کے علاوہ کسی اور کو دینے لگا۔ تو تم میں سے کون اس بات پر راضی

ہو گا کہ اس کا غلام ایسا ہو؟ (۲) اور اللہ نے تم لوگوں کو نماز پڑھنے کا حکم دیا ہے، لہٰذا جب تم نماز پڑھو تو کسی اور جانب توجہ مت کرو، کیوں کہ بندہ جب نماز کی حالت میں ہوتا ہے تو اللہ اس کی طرف متوجہ رہتے ہیں بشر طیکہ کہ بندہ دوسری طرف متوجہ نہ ہو۔ (۳) اور میں تمہیں روزہ رکھنے کا حکم دیتا ہوں، کیوں کہ روزہ کی مثال اس شخص کی سی ہے جو کسی محفل میں ہو، اور اس کے پاس مشک سے بھری ہوئی ایک تھیلی ہو، تو ان میں سے ہر ایک کو اس کی خوشبو پسند آتی ہو، یا خود اسے ہی پسند ہو۔ یہی حال روزہ دار کی (منھ کی) بو کا ہے کہ وہ اللہ کے نزدیک مشک کی خوشبو سے بھی زیادہ پسندیدہ ہے۔ (۴) اور میں تم لوگوں کو صدقہ کرنے کا حکم دیتا ہوں کیوں کہ صدقہ کی مثال اس شخص جیسی ہے جس کو دشمنوں نے قید کر لیا ہو۔ پھر اس کا ہاتھ اس کی گردن سے باندھ کر اسے لے گئے ہوں تاکہ اس کی گردن اڑا دیں تو اس آدمی نے کہا کہ: میں اپنا مال تھوڑا اور زیادہ (جو میرے پاس ہے) بطورِ فدیہ دیکر تم لوگوں سے چھٹکارہ چاہتا ہوں۔ چنانچہ اس نے فدیہ دے کر ان لوگوں سے اپنی جان چھوڑا لی ہو۔ (۵) اور میں تم لوگوں کو حکم دیتا ہوں کہ اللہ کا ذکر کرتے رہو، کیوں کہ اللہ کے ذکر کی مثال اس شخص کی طرح ہے جس کے پیچھے دشمن تیزی سے لگے ہوں، یہاں تک کہ وہ کسی محفوظ قلعہ پر پہنچ کر ان سے اپنی جان بچالی ہو۔ ایسے ہی بندہ بھی اپنے آپ کو شیطان سے نہیں بچا سکتا، مگر اللہ تعالی کے ذکر سے۔"» (جامع ترمذی، مسند احمد، مستدرک حاکم)

[شرح] "بنی اسرائیل" حضرت یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علیہم السلام کی اولاد کو کہا جاتا ہے۔ حضرت یحییٰ بن زکریا اور حضرت عیسی بن مریم علیہما السلام بنی

اسرائیل کے انبیاء میں سے ہیں۔ اللہ رب العزت نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کو پانچ باتوں کا خصوصیت کے ساتھ حکم دیا تھا کہ وہ خود بھی ان پر عمل کریں، اور بنی اسرائیل کو بھی حکم دیں کہ وہ لوگ بھی ان پر عمل پیرا ہوں۔ مگر جب حضرت یحییٰ علیہ السلام سے ان باتوں کی تبلیغ میں کچھ تاخیر ہوگئی تو عیسیٰ علیہ السلام نے ان سے کہا کہ اگر آپ مجھے اجازت دے دیں تو میں ہی ان باتوں کو بنی اسرائل تک پہنچا دیتا ہوں۔ اس پر حضرت یحیٰ علیہ السلام نے کہا: میں نے اگر ان باتوں کی فوراً تبلیغ نہ کی تو اللہ تعالیٰ کا عذاب مجھے پکڑ لے گا۔ چنانچہ حضرت یحیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو مسجدِ اقصیٰ میں جمع کیا، پوری مسجد بھر گئی، پھر جن کو جہاں جگہ ملی بیٹھ گئے تو (۱) شرک، (۲) نماز، (۳) روزہ، (۴) صدقہ اور (۵) ذکر کے موضوع پر وعظ کہنا شروع کیا۔ شرک، روزہ، صدقہ اور ذکر کی مثالیں بھی دیں۔ آپ نے اپنے اس وعظ میں فرمایا کہ اے بنی اسرائیل! (۱) صرف ایک اللہ کی عبادت کرو۔ اس کے ساتھ کسی اور کو شریک مت ٹھہراؤ۔ کیونکہ مشرک کی مثال اس غلام کی سی ہے جس کو اس کے مالک نے اپنے پیسے سے خریدا ہو تاکہ وہ اس کی کھیتی باڑی یا تجارت کا کام کرے اور کما کر اس کا نفع اسے دے۔ غلام نے کھیتی باڑی یا تجارت کا کام شروع کر دیا مگر نفع اپنے مالک کے علاوہ کسی اور کو دینے لگا۔ ظاہر ہے کہ مالک اپنے اس غلام کو ہرگز پسند نہیں کریگا۔ اسی طرح اللہ تعالی جو سب کے خالق، مالک اور رازق ہیں وہ بھی ہرگز یہ پسند نہیں فرماتے کہ ان کا کوئی بھی بندہ ان کے علاوہ کسی اور کی عبادت کرے اور اس کے ساتھ کسی اور کو شریک ٹھہرائے۔ (۲) اور نماز خوب خشوع وخضوع کے ساتھ ادا کرو، کیوں کہ بندہ جب نماز میں اللہ سبحانہ وتعالی کی طرف متوجہ رہتا ہے، تو اللہ سبحانہ

وتعالی اپنی خاص رحمت و مغفرت کے ساتھ اس کی طرف متوجہ رہتے ہیں۔ (۳) اور روزہ رکھا کرو، کیوں کہ روزہ کی مثال اس شخص کی طرح ہے جس کے پاس مشک کی خوشبو ہو، یعنی روزہ مشک کی خوشبو کی طرح ہے۔ لہٰذا جس طرح مشک کی خوشبو لوگوں کے نزدیک پسندیدہ ہوتی ہے، اسی طرح بلکہ اس سے بھی کہیں زیادہ اللہ سبحانہ و تعالی کے نزدیک روزہ دار کے منھ کی بو کی قدر ہوتی ہے۔ (۴) اور اپنے مال سے صدقہ نکالا کرو، کیونکہ صدقہ کی مثال اس قیدی کی سی ہے جس کو اس کے دشمنوں نے پکڑ لیا ہو تاکہ اسے قتل کردیں۔ تو اس قیدی نے دشمنوں سے کہا کہ مجھ سے یہ فدیہ لے لو اور میری جان بخشی کرو۔ چنانچہ اس نے دشمنوں کو فدیہ دے کر اپنی جان بچالی ہو۔ اسی طرح صدقہ کرنے والا صدقہ کرکے اپنے بقیہ مال کو اور خود اپنے آپ کو بلاؤں اور مصیبتوں سے بچالیتا ہے۔ گویا کہ صدقہ بلاؤں اور مصیبتوں سے نجات حاصل کرنے کا فدیہ ہے۔ (۵) اور خوب کثرت سے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ذکر کرتے رہو، کیونکہ ذکر کی مثال اس شخص کی طرح ہے جس کے تعاقب میں دشمن لگے ہوں لیکن وہ شخص کسی محفوظ قلعہ میں پہنچ کر دشمن سے اپنی جان بچالیتا ہو۔ اسی طرح بندۂ ذاکر بھی اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ذکر کرکے اپنے دشمن شیطان اور نفسانی خواہشات سے اپنے آپ کو بچالیتا ہے۔ گویا کہ ذکر شیطان اور نفسانی خواہشات سے بچنا کا ایک محفوظ قلعہ ہے۔

*****

مجاہدین کی مثالیں

٥٩- عَن أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: « مَثَلُ الْمُجَاهِدِ فِي سَبِيلِ اللهِ، كَمَثَلِ الصَّائِمِ الْقَائِمِ الْقَانِتِ بِآيَاتِ اللهِ، لاَ يَفْتُرُ مِنْ صِيَامٍ وَلاَ صَلاَةٍ، حَتَّى يَرْجِعَ الْمُجَاهِدُ فِي سَبِيلِ اللهِ تَعَالَى». (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ:٢٧٨٧، وَمُسْلِمٌ:١٨٧٨ وَاللَّفْظُ لَهُ، والتِّرْمِذِيُّ:١٦١٩، وَالنَّسَائِيُّ:٣١٢٧، وَأَحْمَدُ:٩٤٨١)

[ترجمہ] حضرت ابو ھریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «اللہ کے راستہ میں جہاد کرنے والے کی مثال اس شخص کی طرح ہے جو روزہ رکھنے والا ہو، رات میں نماز پڑھنے والا ہو، اور اللہ کی آیات پر عمل کرنے والا ہو، اور وہ روزہ اور نماز سے تھکتا نہ ہو، یہاں تک کہ اللہ تعالی کے راستہ کا مجاہد واپس آئے۔» (صحیح بخاری، صحیح مسلم، جامع ترمذی، سنن نسائی، مسند احمد)

[شرح] جہاد کا لغوی معنی ہے کسی کام کے لیے کوشش کرنا۔ اصطلاح شریعت میں کفر و شرک مٹانے اور دینِ اسلام کا بول بالا کرنے کے لیے جان و مال کی قربانی دینے کا نام جہاد ہے۔ جہاد کی بے شمار فضیلتیں ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ مجاہد (جہاد کرنے والا) جب گھر سے نکلتا ہے تو اس وقت سے لے کر جب تک وہ اللہ تبارک وتعالی کے راستہ میں رہتا ہے، اس کا ہر ہر لمحہ عبادت میں لکھا جاتا ہے۔ اور اجر و ثواب حاصل کرنے میں اس کی مثال ایسی ہوتی ہے، جیسا کہ اس شخص کی جو اس دوران اپنے مقام پر رہ کر دن میں روزہ رکھتا ہو، اور رات بھر نماز وتلاوت میں مشغول رہتا ہو۔

*****

٦٠ – عَنْ بُرَيْدَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: « حُرْمَةُ نِسَاءِ الْمُجَاهِدِينَ عَلَى الْقَاعِدِينَ كَحُرْمَةِ أُمَّهَاتِهِمْ ». (رَوَاهُ مُسْلِمٌ:١٨٩٧، وأَبُو دَاوُدَ:٢٤٩٦، وَالنَّسَائِيُّ:٣١٨٩، وَأَحْمَدُ:٢٢٩٧٧)

[ترجمہ] حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: « جہاد میں جانے والوں کی عورتوں کی عزت وحرمت (گھروں میں) بیٹھنے والوں پر ایسی ہے جیسی خود ان کی ماؤں کی عزت وحرمت۔» (صحیح مسلم، سنن ابو داؤد، سنن نسائی، مسند احمد)

[شرح] جو لوگ کسی وجہ سے جہاد میں نہیں جا سکے، اور اپنے گھروں میں بیٹھے رہے، انہیں چاہیے کہ جہاد میں نکلے ہوئے مجاہدین کی عورتوں کی عزت وآبرو کا بالکل اسی طرح خیال رکھیں، جس طرح کہ وہ اپنی سگی ماں کی عزت وآبرو کا خیال رکھتے ہیں، کیوں کہ مجاہدین کی عورتوں کی عزت وآبرو خود انکی سگی ماں کی عزت وآبرو کے مثل ہے۔ اس حدیث میں آگے وعید بھی ہے کہ اگر کوئی شخص مجاہدین کے گھر والوں کا خیال رکھنے کے بجائے ان کے ساتھ کسی قسم کی خیانت کرے گا تو قیامت کے روز مجاہد، اس خائن شخص کے نیک اعمال میں سے جس قدر نیکیاں چاہے گا لے لے گا۔

*****

٦١ – عَنْ عَبْدِ اللَّهِ هُوَ ابْنُ عَمْرٍو رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: « قَفْلَةٌ كَغَزْوَةٍ ». (رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ:٢٤٨٧، وَأَحْمَدُ:٦٦٢٥، وَقَالَ

شُعَيْب الأَرْنَؤوط: إِسْنَادُهُ صَحِيْحٌ، وَالْحَاكِمُ:٢٣٩٩، وَقَالَ: حَدِيثٌ صَحِيحٌ عَلَى شَرْطِ مُسْلِمٍ)

[ترجمہ] حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: «جہاد سے واپس آنا بھی جہاد کی طرح ہے۔» (سنن ابو داؤد، مسند احمد، مستدرک حاکم)

[شرح] مطلب یہ ہے کہ جو شخص جہاد کے لئے اللہ سبحانہ وتعالی کے راستہ میں نکلتا ہے اور جہاد کرتا ہے۔ پھر اپنے وطن واپس آجاتا ہے اور اس کی نیت یہ ہوتی ہے کہ اگر دوبارہ جہاد میں جانے کا اعلان ہوگیا تو پھر جہاد کے لیے نکل پڑے گا۔ چنانچہ اس نیت کی وجہ سے اسے اپنے وطن میں ہی اسی طرح کا اجروثواب ملتاہے، جس طرح کا اجرو ثواب اسے جہاد میں نکلنے کے بعد ملتا تھا، کیوں کہ جہاد میں نکلنے کے بعد وہ اپنے جان و مال کی قربانی دیتا تھا، اوروطن واپس آنے پر بھی اس کی یہی نیت ہے۔ حدیث مبارک میں ہے (انما الاعمال بالنیات) «اعمال کا اعتبار نیتوں پر ہے۔» (صحیح بخاری:١)

*****

٦٢- عَنْ سَبْرَةَ بْنِ أَبِي فَاكِهٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، قَالَ : سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: «إِنَّ الشَّيْطَانَ قَعَدَ لِابْنِ آدَمَ بِأَطْرُقِهِ، فَقَعَدَ لَهُ بِطَرِيقِ الإِسْلاَمِ، فَقَالَ: تُسْلِمُ وَتَذَرُ دِينَكَ، وَدِينَ آبَائِكَ، وَآبَاءِ أَبِيكَ؟! فَعَصَاهُ فَأَسْلَمَ، ثُمَّ قَعَدَ لَهُ بِطَرِيقِ الْهِجْرَةِ، فَقَالَ: تُهَاجِرُ وَتَدَعُ أَرْضَكَ وَسَمَاءَكَ؟! وَإِنَّمَا مَثَلُ الْمُهَاجِرِ كَمَثَلِ الْفَرَسِ فِي الطِّوَلِ، فَعَصَاهُ فَهَاجَرَ...». (رَوَاهُ النَّسَائِيُّ:

٣١٣٤، وَأَحْمَدُ:١٥٩٥٨، وَقَالَ شُعَيْب الأَرْنَؤوط: إِسْنَادُهُ قَوِيٌّ)

[ترجمہ] حضرت سبرہ بن فاکہہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ: «شیطان بنی آدم کو (گمراہ کرنے کے لئے) اس کے مختلف راستوں میں بیٹھتاہے۔ چنانچہ اس کے اسلام کے راستہ میں بیٹھتاہے اور کہتاہے کہ تو اسلام قبول کرتا ہے اور اپنا دین اور اپنے آباء واجداد کا دین چھوڑتا ہے؟! وہ آدمی اس کی بات نہیں مانتا اور اسلام قبول کرلیتا ہے۔ پھر وہ (شیطان) اس (مسلمان) کے ہجرت کے راستہ میں آکر بیٹھتا ہے اور کہتا ہے کہ تو ہجرت کرتا ہے اور اپنی زمین اور اپنے آسمان کو چھوڑتا ہے؟! ہجرت کرنے والے کی مثال تو ایسی ہے جیسے گھوڑا اپنے باندھنے کی جگہ میں ہو۔ وہ (مسلمان) اس کی نافرمانی کرتا ہے اور ہجرت کر جاتاہے۔» (سنن نسائی ومسند احمد)

[شرح] حدیثِ پاک کا مطلب یہ ہے کہ شیطان انسان کی راہوں میں آکر اس کو خیر کے تمام کاموں سے روکنے کی پوری کوشش کرتاہے۔ اگر کوئی آدمی اسلام قبول کرنا چاہتا ہے تو شیطان اس کے دل میں وسوسے پیدا کرتا ہے کہ تو اپنے باپ دادا کا دین کیوں چھوڑتاہے؟ اور اگر کوئی مسلمان دار الحرب سے دارالاسلام کی طرف ہجرت کرنا چاہتا ہے تو شیطان اس کی ہجرت کی راہ میں آڑے آتاہے، اور اس سے کہتا ہے کہ تو اپنا وطن کیوں چھوڑتاہے؟ پھر مثال دیتاہے کہ ہجرت کرنے والا اس گھوڑے کی طرح ہوتاہے، جس کی رسی کو کسی لکڑی سے باندھ دیا گیا ہو، تاکہ وہ اپنی جگہ سے کہیں اور نہ جاسکے۔ اسی طرح تمہیں بھی ہجرت کرنے کے بعد غربت اور بے کسی کی زندگی میں رہنا پڑے گا اور تمہیں وہ آزادی حاصل نہیں ہوگی جو تم کو

اپنے وطن میں حاصل ہے۔ لیکن وہ مسلمان اس کے بہکاوے میں نہیں آتا اور ہجرت کر جاتا ہے۔اس حدیث میں آگے جہاد کا بھی ذکر ہے کہ شیطان مسلمان کو جہاد سے بھی روکتا ہے، اور کہتا ہے کہ اس سے جان ومال دونوں کا خطرہ ہے۔ لیکن وہ مسلمان شیطان کی ایک نہیں سنتا اور جہاد کے لئے نکل جاتا ہے۔ حضور احمد مصطفیٰ ﷺ نے فرمایا: «جو شخص یہ کام انجام دے تو اللہ عزّ وجلّ پر حق ہے کہ اس کو جنت میں داخل کرے۔»

*****

حلال عمل کی مثالیں

٦٣ - عَنْ أَبِي ذَرٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ «... وَفِي بُضْعِ أَحَدِكُمْ صَدَقَةٌ ». قَالُوا: يَا رَسُولَ اللهِ، أَيَأْتِي أَحَدُنَا شَهْوَتَهُ وَيَكُونُ لَهُ فِيهَا أَجْرٌ؟ قَالَ: « أَرَأَيْتُمْ لَوْ وَضَعَهَا فِي حَرَامٍ أَكَانَ عَلَيْهِ فِيهَا وِزْرٌ؟ فَكَذَلِكَ إِذَا وَضَعَهَا فِي الْحَلاَلِ كَانَ لَهُ أَجْرٌ». (رَوَاهُ مُسْلِمٌ:١٠٠٦، وَأَحْمَدُ:٢١٤٧٣)

[ترجمہ] حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «...اور تم میں سے کسی کا (اپنی بیوی سے) صحبت کرنا صدقہ ہے۔» صحابہ نے عرض کیا: "یا رسول اللہ ﷺ! کیا ہم میں کوئی اپنی خواہش پوری کرے تو اس میں بھی اس کے لیے ثواب ہے؟" آپ ﷺ نے فرمایا: «بتاؤ! اگر کوئی حرام طریقہ سے اپنی شہوت پوری کرے تو اس پر اسے گناہ ہوگا یا نہیں؟ لہٰذا اسی طرح اگر کوئی حلال طریقہ سے اپنی خواہش پوری کرے تو اسے ثواب ہوگا۔» (صحیح مسلم، مسند

احمد)

[شرح] یعنی جس طرح مال کا صدقہ کرنے سے ثواب ملتا ہے، اسی طرح کسی مسلمان کا اپنی بیوی کے ساتھ صحبت کرنے سے بھی صدقہ کا ثواب ملتا ہے۔ صحابہء کرام رضی اللہ عنہم کو اس پر بڑا تعجب ہوا کہ اگر کوئی اپنی بیوی کے ساتھ اپنی خواہش پوری کرے، تو اس پر بھی اس کے لیے اجر وثواب ہے!۔ رحمت للعالمین ﷺ نے انہیں ایک قیاسی مثال دیکر سمجھایا کہ، دیکھو! جس طرح حرام جگہ شہوت پوری کرنے سے گناہ ہوتا ہے، اسی طرح حلال جگہ شہوت پوری کرنے سے ثواب ملتا ہے۔ کیوں کہ اس حلال صحبت سے آدمی زنا سے بچ جاتا ہے، اور بیوی کے حق کی ادائیگی بھی ہو جاتی ہے۔

*****

٦٤- عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، أَنَّ رَجُلًا أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ، وُلِدَ لِي غُلَامٌ أَسْوَدُ، فَقَالَ: «هَلْ لَكَ مِنْ إِبِلٍ؟» قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: «مَا أَلْوَانُهَا؟» قَالَ: حُمْرٌ، قَالَ: «هَلْ فِيهَا مِنْ أَوْرَقَ؟» قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: «فَأَنَّى ذَلِكَ؟» قَالَ: لَعَلَّهُ نَزَعَهُ عِرْقٌ، قَالَ: «فَلَعَلَّ ابْنَكَ هَذَا نَزَعَهُ» (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ:٥٣٠٥، وَمُسْلِمٌ: ١٥٠٠، وأَبُو دَاوُدَ:٢٢٦٠، والتِّرْمِذِيُّ: ٢١٢٨، وَالنَّسَائِيُّ: ٣٤٧٨، وَابْنُ مَاجَهْ: ٢٠٠٢، وَأَحْمَدُ: ٧١٨٩)

[ترجمہ] حضرت ابو ھریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نبی ﷺ کی خدمت میں آیا اور عرض کیا: "یا رسول اللہ! میرے ہاں کالا بچہ پیدا ہوا ہے۔" آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: «کیا تمہارے پاس کچھ اونٹ ہیں؟» اس نے

کہا : "ہاں ہیں۔" آپ ﷺ نے فرمایا : «ان کے کیا رنگ ہیں؟» اس نے کہا : "سرخ۔" آپ ﷺ نے فرمایا : «کیا ان میں کوئی خاکی رنگ کا بھی ہے؟» اس نے کہا : "ہاں ہے۔" آپ ﷺ نے فرمایا : «وہ کہاں سے ہوا؟» اس نے کہا : "شاید کسی رگ نے اس کو کھینچ لیا ہو۔" آپ ﷺ نے فرمایا : «تو یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تیرے اس بچہ کو بھی کسی رگ نے کھینچ لیا ہو۔» (صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ابو داؤد، جامع ترمذی، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ، مسند احمد)

[شرح] آپ ﷺ کی خدمت میں آنے والا یہ آدمی دیہات کا رہنے والا گورے رنگ کا تھا۔ اس کے گھر اس کا جو بچہ پیدا ہوا وہ کالا تھا۔ اس لئے اسے اپنی بیوی پر شک ہوا کہ یہ بچہ اس کا نہیں بلکہ کسی اور کا زنا سے ہو سکتا ہے۔ اس شک کو دور کرنے کے لئے وہ رسولِ پاک ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور اپنا حال بیان کیا، تو رسول پاک ﷺ نے اسے ایک بہت ہی بہترین مثال دیکر سمجھایا، جس کا حاصل یہ ہے کہ جس طرح کسی جانور کے بچہ کا رنگ ان کے ماں باپ کے رنگ سے مختلف ہو سکتا ہے کہ وہ اپنی پرانی نسل میں سے کسی کا رنگ لے کر پیدا ہو، اسی طرح انسان کے بچہ کا رنگ بھی اس کے والدین کے رنگ سے مختلف ہو سکتا ہے کہ یہ انسانی بچہ بھی اپنے آباو اجداد میں سے کسی کا رنگ لے کر پیدا ہو۔ رسولِ پاک ﷺ نے اس بچہ کو حلالی اور اسی دیہاتی کے نطفہ سے پیدا ہوا بچہ قرار دیا۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ شوہر کو محض اس وجہ سے کہ اس کے بچہ یا بچی کا رنگ اس کے رنگ سے مختلف ہے اپنی بیوی پر شک نہیں کرنا چاہیے۔

*****

راہنماؤں کی مثالیں

٦٥- عَنْ بُرَيْدَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ «إِنَّ الدَّالَّ عَلَى الْخَيْرِ كَفَاعِلِهِ» (رَوَاهُ أَحْمَدُ:٢٣٠٢٧، وَقَالَ شُعَيْب الأَرْنَؤوط: إِسْنَادُهُ صَحِيْحٌ، رِجَالُه ثِقَاتٌ رِجَالُ الصَّحِيْحِ، غير أبي حنيفة النعمان بن ثابت الإمام الثقة المشهور، وَأَخْرَجَهُ التِّرْمِذِيُّ عَن أَنَسٍ رَضِي الله عَنهُ: ٢٦٧٠، وَقَالَ: حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ)

[ترجمہ] حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «نیکی کی طرف راہ نمائی کرنے والا نیکی کرنے والے ہی کی طرح ہے۔» (مسند احمد، جامع ترمذی)

[شرح] اس حدیث میں دعوت و تبلیغ، درس وتدریس اور وعظ و نصیحت کرنے والوں کو بشارت دی گئی ہے کہ جو شخص کسی نیکی کی طرف لوگوں کی راہ نمائی کرتا ہے تو اس نیکی پر عمل کرنے والوں کو جس قدر اجر و ثواب ملتا ہے، اسی قدر اجر و ثواب اس شخص کو بھی ملتا ہے جس نے اس نیکی کی طرف ان کی راہ نمائی کی ہے۔ حاصل یہ ہے کہ نیکی کی طرف راہ نمائی کرنے والا اجر و ثواب حاصل کرنے میں، اس نیکی پر عمل کرنے والے کی طرح ہوتا ہے۔

*****

٦٦- عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا، عَنِ النَّبِي صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «مَثَلُ الْقَائِمِ عَلَى حُدُودِ اللهِ وَالْوَاقِعِ فِيهَا، كَمَثَلِ قَوْمٍ اسْتَهَمُوا عَلَى سَفِينَةٍ، فَأَصَابَ بَعْضُهُمْ أَعْلَاهَا وَبَعْضُهُمْ أَسْفَلَهَا، فَكَانَ الَّذِينَ فِي أَسْفَلِهَا إِذَا

اسْتَقَوْا مِنَ الْمَاءِ مَرُّوا عَلَى مَنْ فَوْقَهُمْ، فَقَالُوا: لَوْ أَنَّا خَرَقْنَا فِي نَصِيبِنَا خَرْقًا وَلَمْ نُؤْذِ مَنْ فَوْقَنَا، فَإِنْ يَتْرُكُوهُمْ وَمَا أَرَادُوا هَلَكُوا جَمِيعًا، وَإِنْ أَخَذُوا عَلَى أَيْدِيهِمْ نَجَوْا، وَنَجَوْا جَمِيعًا». (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ: ٢٤٩٣، والتِّرْمِذِيُّ:٢١٧٣، وَأَحْمَدُ: ١٨٣٦١)

[ترجمہ] حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما، نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: «اللہ کے حدود پر قائم رہنے والے اور اس میں مبتلا ہونے والے کی مثال ان لوگوں کی سی ہے، جنہوں نے کشتی میں قرعہ اندازی کی تو کچھ لوگوں کو اس کے اوپر کا حصہ ملا، اور کچھ لوگوں کو اس کے نیچے کا حصہ ملا۔ چنانچہ جو لوگ اس کشتی کے نچلے حصہ میں تھے، انہیں جب پانی کی ضرورت ہوتی تو انہیں اپنے اوپر کے لوگوں کے پاس سے گزرنا پڑتا، اس لیے انہوں نے کہا کہ کیوں نہ ہم اپنے (نچلے) حصہ میں ہی سوراخ کرلیں، اور اپنے اوپر والوں کو تکلیف نہ دیں۔ اب اگر اوپر والے ان کو چھوڑ دیں اور وہ جو چاہیں کریں تو سب ہلاک ہوجائیں گے، اور اگر ان کا ہاتھ پکڑ لیں تو خود بھی بچ جائیں گے،اور سب لوگ بھی بچ جائیں گے۔» (صحیح بخاری، جامع ترمذی، مسند احمد)

[شرح] اس حدیث میں معاشرہ کی مثال ایک کشتی سے دی گئی ہے کہ اس معاشرہ میں فرماں بردار اور نافرمان دونوں قسم کے لوگ پائے جاتے ہیں۔ لہٰذا نافرمانوں کو اگر قتل، زنا، چوری، شراب وغیرہ جیسے گناہوں کے ارتکاب سے نہ روکا جائے، اور ان کو ان گناہوں کی سزا نہ دی جائے، تو نتیجہ یہ ہوگا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے عذاب سے نہ صرف ان گناہوں کے مرتکبین ہلاک ہوں گے، بلکہ ان کے ساتھ

ساتھ مداہنت اور سستی برتنے والے فرماں بردار بھی ہلاک ہوں گے کہ انہوں نے ان گناہ گاروں کی صحیح راہ نمائی نہیں کی اور انہیں گناہوں سے نہیں روکا۔ ان سب لوگوں کی ہلاکت کی مثال ایسی ہے جیسے کسی ایسی کشتی کے سوار جو دو منزلہ ہو کہ اس کشتی میں کچھ لوگ نیچے کے حصے میں ہوں، اور کچھ لوگ اوپر کے حصے میں ہوں۔ نیچے کے حصے میں رہنے والوں نے سوچا کہ ہمیں پانی لینے کے لئے بار بار اوپر کے حصے میں جانا پڑتا ہے جس کی وجہ سے وہاں کے لوگوں کو تکلیف ہوتی ہے، لہٰذا ہم کشتی کے نیچے کے حصہ میں ہی سوراخ کر کے پانی حاصل کر لیتے ہیں۔ اب ایسی صورت میں اگر کشتی میں سوراخ کرنے والوں کو کشتی میں سوراخ کرنے سے نہ روکا جائے تو اس کشتی کے اوپر اور نیچے کے سارے سوار غرق ہوں گے اور اگر انہیں روک دیا جائے تو سارے کے سارے سوار غرق ہونے سے بچ جائیں گے۔ معلوم ہوا کہ گناہ گاروں کو منکرات سے نہ روکنا سب کے لیے ہلاکت کا باعث ہے۔

*****

٦٧ – عَنْ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ، سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: « يُجَاءُ بِالرَّجُلِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، فَيُلْقى فِي النَّارِ، فَتَنْدَلِقُ أَقْتَابُهُ فِي النَّارِ، فَيَدُورُ كَمَا يَدُورُ الْحِمَارُ بِرَحَاهُ، فَيَجْتَمِعُ أَهْلُ النَّارِ عَلَيْهِ، فَيَقُولُونَ: أَيْ فُلاَنُ مَا شَأْنُكَ؟ أَلَيْسَ كُنْتَ تَأْمُرُنَا بِالْمَعْرُوفِ، وَتَنْهى عَنِ الْمُنْكَرِ؟ قَالَ: كُنْتُ آمُرُكُمْ بِالْمَعْرُوفِ وَلاَ آتِيهِ، وَأَنْهَاكُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَآتِيهِ». (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ:٣٢٦٧، وَمُسْلِمٌ: ٢٩٨٩، وَأَحْمَدُ: ٢١٧٨٤)

[ترجمہ] حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے

رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: «قیامت کے روز ایک آدمی کو لایا جائے گا، پھر اسے دوزخ میں ڈالا جائے گا، تو اس کی آنتیں آگ میں باہر نکل پڑیں گی۔ اور وہ (اپنی آنتوں کو لے کر) اس طرح گھومے گا جس طرح گدھا اپنی چکی کے گرد گھومتا ہے۔ تو دوزخی اس کے پاس جمع ہو کر کہیں گے: "اے فلاں! تیرا حال ایسا کیوں ہے؟ کیا تو ہمیں نیکی کا حکم نہیں کرتا تھا اور برائی سے نہیں روکتا تھا؟" وہ کہے گا: "ہاں! میں تمہیں تو نیکی کا حکم کرتا تھا لیکن خود اس پر عمل نہیں کرتا تھا اور تمہیں تو برائی سے روکتا تھا لیکن خود اس میں مبتلا تھا"۔» (صحیح بخاری، صحیح مسلم، مسند احمد)

[شرح] اسلام میں ہر مسلمان پر دو فریضے عائد کئے گئے ہیں۔ پہلا فریضۃ بذاتِ خود نیکی پر عمل کرنا اور برائی سے بچنا، اور دوسرا فریضۃ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے، یعنی دوسروں کو نیکی کی طرف راہ نمائی کرنا اور انہیں برائیوں سے روکنا۔ چنانچہ اگر کوئی مسلمان طاقت اور قدرت رکھنے کے باوجود ان دونوں فریضوں میں سے کسی ایک فریضۃ کو بھی ترک کرتا ہے، تو وہ گناہ گار اور عذاب کا مستحق قرار پاتا ہے۔ جیسا کہ اس حدیث میں ہے کہ قیامت کے روز ایک ایسے شخص کو لایا جائے گا جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضۃ انجام دیتا تھا، مگر خود ان پر عمل نہیں کرتا تھا۔ چنانچہ عمل کا فریضۃ انجام نہ دینے کی وجہ سے اسے جہنم کی آگ میں ڈالا جائے گا۔ آگ میں گرتے ہی اس کے پیٹ کی انتڑیاں اس کے پائخانہ کے راستہ سے باہر نکل پڑیں گی۔ وہ اپنی ان انتڑیوں کو لے کر اس آگ میں اس طرح گھومے گا، جس طرح چکی میں چلنے والا گدھا اپنی چکی کے گرد گھومتا ہے۔ اس بے عمل واعظ کی حالت دیکھ کر دوزخی اس کے گرد جمع ہو جائیں گے اور بعض شناساں اس کا نام لے کر کہیں گے:

"اے فلاں! تمہاری اس ذلت آمیز سزا کی وجہ کیا ہے؟" تو وہ شخص جواب میں کہے گا: "اس لئے کہ میں تو تمہیں نیکی کرنے اور برائی سے باز رہنے کے لیے تو کہتا تھا، مگر خود وہ نیک کام نہ کرتا تھا، اور نہ اس برے کام سے باز رہتا تھا۔" اس حدیث سے بے عمل واعظوں اور مقرروں کو سبق سیکھنا چاہیے۔

*****

گناہوں کی مثالیں

٦٨- عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: « إِيَّاكُمْ وَمُحَقَّرَاتِ الذُّنُوْبِ، فَإِنَّمَا مَثَلُ مُحَقَّرَاتِ الذُّنُوبِ كَمَثَلِ قَوْمٍ نَزَلُوا بَطَنَ وادٍ، فَجَاءَ ذَا بِعُودٍ، وَجَاءَ ذَا بِعُودٍ، حَتَّى أَنْضَجُوا بِه خُبْزَهُم، وَإِنَّ مُحَقَّرَاتِ الذُّنُوبِ مَتَى يُؤْخَذُ بِهَا صَاحِبُهَا تُهْلِكُهُ». (رَوَاهُ أَحْمَدُ: ٢٢٨٠٨، وَقَالَ شُعَيْب الأَرْنَؤوط: إِسْنَادُهُ صَحِيْحٌ، رِجَالُه ثِقَاتٌ رِجَالُ الشَّيْخَيْنِ)

[ترجمہ] حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «تم لوگ صغیرہ گناہوں سے بھی بچتے رہو، کیوں کہ صغیرہ گناہوں کی مثال ایسی ہے، جیسے کچھ لوگ کسی وادی میں اترے، تو ایک آدمی ایک لکڑی لایا اور دوسرا دوسری لکڑی لایا، یہاں تک کہ ان لوگوں نے اس کے ذریعہ اپنی روٹیاں پکالیں۔ اور صغیرہ گناہوں پر جب گناہ گار کا مؤاخذہ ہوگا تو اس کو ہلاک کر دیں گے۔» (مسند احمد)

[شرح] بہت سے لوگ صغیرہ گناہوں کو بہت معمولی سمجھتے ہیں، اور انہیں معمولی اور صغیرہ سمجھ کر کرتے رہتے ہیں۔ اس حدیث میں ان سے بھی بچنے کی تاکید

ہے کہ یہ چھوٹے چھوٹے گناہ چھوٹی چھوٹی چنگاری کی طرح ہیں اور وہ سب ملکر گناہ گار کو ہلاک کرسکتے ہیں۔ آپ ﷺ نے اسے مثال سے واضح فرمایا کہ جس طرح کسی وادی میں کچھ لوگ اترے ہوں۔ پھر جب کھانے کا وقت آیا تو ایک آدمی جا کر ایک لکڑی لایا اور دوسرا آدمی دوسری لکڑی لایا۔ یہاں تک کہ ان لوگوں نے اتنی لکڑیاں جمع کرلیں کہ پوری آگ تیار ہوگئی، اور اس پر روٹیاں بھی پکالیں۔ اسی طرح صغیرہ گناہ بھی ہیں کہ ان کا مرتکب بھی اپنے نامہء اعمال میں چھوٹے چھوٹے گناہ کر کے اتنی زیادہ گناہ کی چنگاریاں جمع کرلیتا ہے کہ وہ سب ملکر اسے ہلاک کرسکتی ہیں۔ اس لیے اگر اپنے آپ کو ہلاکت سے بچانا ہے تو ہر قسم کے چھوٹے بڑے گناہ سے بچتے رہنا چاہیے۔

*****

٦٩ – عَن عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «مَا مِنْ مُسْلِمٍ يُصِيبُهُ أَذًى، مَرَضٌ فَمَا سِوَاهُ، إِلاَّ حَطَّ اللهُ لَهُ سَيِّئَاتِهِ، كَمَا تَحُطُّ الشَّجَرَةُ وَرَقَهَا ». (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ: ٥٦٦٠، وَمُسْلِمٌ: ٢٥٧١، وَأَحْمَدُ: ٣٦١٨)

[ترجمہ] حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «جس مسلمان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے، خواہ مرض ہو یا اس کے علاوہ تو اللہ اس کی وجہ سے اس کے گناہوں کو معاف کردیتے ہیں، جس طرح درخت اپنے پتے جھاڑ دیتا ہے۔» (صحیح بخاری، صحیح مسلم، مسند احمد)

[شرح] کسی مسلمان کو کوئی مصیبت پہنچتی ہے، خواہ وہ مرض کی صورت

میں ہو یا کسی اور صورت میں، تو یہ مصیبت اس کے حق میں عذاب نہیں ہوا کرتی بلکہ اس کے گناہوں کے معاف ہونے کا سبب بنتی ہے۔ مصیبت زدہ آدمی موسمِ خزاں کے درخت کی طرح ہے اور اس کے گناہ اس درخت کے پتوں کی طرح ہیں۔ چنانچہ جس طرح موسمِ خزاں میں درخت سے پتے جھڑتے ہیں، اسی طرح مصیبت زدہ مسلمان کے جسم سے گناہ جھڑتے ہیں۔ ایک دوسری حدیث میں آیا ہے کہ «مسلمان کو جب کوئی تکلیف، مرض، رنج، مصیبت، دکھ، یا کوئی غم پہنچتا ہے حتی کہ اگر کانٹا بھی چبھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ اس کے گناہوں کو معاف کردیتے ہیں۔» (صحیح بخاری: ۵۶۴۱)

*****

۷۰- عن جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ عَلَى أُمِّ السَّائِبِ أَوْ أُمِّ الْمُسَيِّبِ فَقَالَ: «مَا لَكِ؟ يَا أُمَّ السَّائِبِ أَوْ يَا أُمَّ الْمُسَيِّبِ تُزَفْزِفِينَ؟» قَالَتْ: الْحُمَّى، لَا بَارَكَ اللهُ فِيهَا، فَقَالَ: «لَا تَسُبِّي الْحُمَّى، فَإِنَّهَا تُذْهِبُ خَطَايَا بَنِي آدَمَ، كَمَا يُذْهِبُ الْكِيرُ خَبَثَ الْحَدِيدِ ». (رَوَاهُ مُسْلِمٌ: ٢٥٧٥)

[ترجمہ] حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ حضرت ام سائب یا ام مسیب رضی اللہ عنہا کے ہاں تشریف لائے اور دریافت فرمایا: «کیا حال ہے ام سائب، یا ام مسیب کہ تم کانپ رہی ہو؟» انہوں نے عرض کیا: "بخار ہے، اللہ اس میں برکت نہ دیں۔" تو آپ ﷺ نے فرمایا: «بخار کو برا مت کہا کرو کیوں کہ بخار بنی آدم کے خطاؤں کو اس طرح دور کردیتا ہے،

جس طرح آگ کی بھٹی لوہے کی میل کچیل دور کر دیتی ہے۔» (صحیح مسلم)

[شرح] اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے بخار کو آگ کی بھٹی سے اور بنی آدم کی گناہوں کو لوہے کی میل کچیل سے تشبیہ دی ہے کہ جس طرح آگ کی بھٹی لوہے کی میل کچیل صاف کرتی ہے، اسی طرح بخار مسلمانوں کے گناہوں کو صاف کرتا ہے۔ مرض، بخار یا کسی اور مصیبت میں مبتلا ہونے سے صغیرہ گناہ تو ضرور معاف ہوتے ہیں، البتہ اگر اللہ تعالی چاہیں تو صغیرہ گناہوں کے ساتھ ساتھ کبیرہ گناہوں کو بھی معاف کر دیں۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کے لیے مرض عذاب نہیں ہوا کرتا بلکہ ان کے گناہوں کے معاف ہونے کا سبب بنتا ہے، اس لیے اگر کوئی مسلمان کسی مرض میں مبتلا ہو تو اسے اپنے مرض کو برا کہنے کے بجائے، اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے شفا کی دعا کرنی چاہیے اور اپنے اس مرض کو اپنے گناہوں کا کفارہ سمجھنا چاہیے۔

*****

فتنوں کی مثالیں

٧١- عن أُسَامَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: أَشْرَفَ النَّبِي صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى أُطُمٍ مِنْ آطَامِ الْمَدِينَةِ، فَقَالَ: « هَلْ تَرَوْنَ مَا أَرَى، إِنِّي لأَرَى مَوَاقِعَ الْفِتَنِ خِلاَلَ بُيُوتِكُمْ كَمَوَاقِعِ الْقَطْرِ ». (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ:١٨٧٨، وَمُسْلِمٌ: ٢٨٨٥، وَأَحْمَدُ:٢١٧٤٨)

[ترجمہ] حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ مدینہ

منورہ کے ٹیلوں میں سے ایک ٹیلہ پر چڑھے، اور فرمایا: «کیا تم لوگ اس چیز کو دیکھ رہے ہو جو میں دیکھ رہا ہوں؟ میں دیکھ رہا ہوں کہ تمہارے گھروں پر فتنے بارش برسنے کی طرح آرہے ہیں۔» (صحیح بخاری، صحیح مسلم، مسند احمد)

[شرح] رحمتِ عالم ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ان فتنوں سے آگاہ کررہے ہیں جو مستقبل قریب میں آنے والے ہیں، تاکہ وہ لوگ ان فتنوں سے بچنے کی تدبیریں کرسکیں۔ ان فتنوں کی کثرت اور محلِ وقوع کو مثال سے سمجھایا کہ وہ فتنے تمہارے اس شہر اور تمہارے ان گھروں میں بہت کثرت سے اس طرح رونما ہوں گے، جس طرح کثرت سے تمہارے گھروں پر بارش کے قطرے برستے ہیں۔ آپ ﷺ کی یہ پیش گوئی حرف بحرف صحیح ثابت ہوئی۔ چنانچہ عہدِ فاروقی کے بعد، آپسی اختلافات کے سبب، لوگ بہت سے فتنوں میں مبتلا ہوئے، اور انہی فتنوں کے نتیجے میں جنگِ جمل اور جنگِ صفین وغیرہ کے دردناک واقعات بھی پیش آئے، جن میں بہت سے جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم قتل ہوئے۔

*****

٧٢- عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الخُدْرِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «يَخْرُجُ نَاسٌ مِنْ قِبَلِ المَشْرِقِ، وَيَقْرَءُونَ القُرْآنَ لاَ يُجَاوِزُ تَرَاقِيَهُمْ، يَمْرُقُونَ مِنَ الدِّينِ كَمَا يَمْرُقُ السَّهْمُ مِنَ الرَّمِيَّةِ، ثُمَّ لاَ يَعُودُونَ فِيهِ حَتَّى يَعُودَ السَّهْمُ إِلَى فُوقِهِ». قِيلَ مَا سِيمَاهُمْ؟ قَالَ: «سِيمَاهُمْ التَّحْلِيقُ». (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ:٧٥٦٢، وَأَحْمَدُ: ١١٦١٤)

[ترجمہ] حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نبی ﷺ سے روایت کرتے

ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: «مشرق کی جانب سے کچھ لوگ نکلیں گے۔ وہ لوگ قرآن پڑھیں گے، لیکن ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا۔ وہ لوگ دین سے اس طرح نکل جائیں گے، جس طرح تیر شکار سے نکل جاتا ہے۔ پھر وہ لوگ دین کی طرف واپس نہیں آئیں گے، یہاں تک کہ تیر اپنی جگہ واپس آجائے۔» پوچھا گیا: "ان کی نشانی کیا ہوگی؟" آپ ﷺ نے فرمایا: «ان کی نشانی سر منڈانا۔» (صحیح بخاری، مسند احمد)

[شرح] آپ ﷺ ایک گمراہ فرقہ کے بارے میں پیش گوئی فرما رہے ہیں کہ میری امت میں کچھ ایسے فتنہ پرور لوگ پیدا ہونگے جو قرآن کی تلاوت بہت کریں گے، لیکن ان پر اس تلاوت کا کچھ اثر نہ ہوگا۔ ان لوگوں کی مثال ایسی ہے جیسے تیر جب بہت تیزی سے کسی شکار سے ہو کر نکلتا ہے تو وہ خون آلود نہیں ہوتا، اسی طرح یہ لوگ بھی دینِ اسلام سے نکلے ہوئے ہوں گے اور ان پر اسلام کا کوئی اثر نہ ہوگا۔ اور جس طرح کمان سے نکلا ہوا تیر اپنی جگہ واپس نہیں آتا، یا بندوق کی گولی بندوق سے نکلنے کے بعد واپس نہیں آتی، اسی طرح یہ لوگ دین سے نکلنے کے بعد، پھر واپس دین کی طرف نہیں آئیں گے۔ کسی صحابی نے پوچھا کہ ان کی نشانی کیا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: «ان کی نشانی سر منڈانا۔» اس گمراہ فرقہ سے مراد خوارج ہیں۔ ان کا بنیادی عقیدہ یہ ہے کہ بندہ گناہ کبیرہ کے ارتکاب سے کافر ہو جاتا ہے۔ یہی وہ خوارج ہیں جنہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور میں ان کے خلاف بغاوت کی تھی، جس کی وجہ سے یہ لوگ جنگِ نہروان میں مارے گئے۔ معلوم ہوا کہ اسلامی حکومت کے خلاف بغاوت کرنا بہت بڑا گناہ ہے، اور ایسی بغاوت سے دل میں نفاق

پیدا ہو جاتا ہے، اور اس دل میں ایمان باقی نہیں رہ جاتا۔ یہی وجہ ہے کہ باغیوں کی لمبی اور خوش نما عبادات کا خود ان کی ذات پر بھی کچھ اثر نہیں ہوتا۔

*****

٧٣- عَنْ حُذَيْفَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ، حَدَّثَنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَدِيثَيْنِ، رَأَيْتُ أَحَدَهُمَا، وَأَنَا أَنْتَظِرُ الْآخَرَ، حَدَّثَنَا: «أَنَّ الْأَمَانَةَ نَزَلَتْ فِي جَذْرِ قُلُوبِ الرِّجَالِ، ثُمَّ عَلِمُوا مِنْ الْقُرْآنِ، ثُمَّ عَلِمُوا مِنْ السُّنَّةِ». وَحَدَّثَنَا عَنْ رَفْعِهَا، قَالَ: «يَنَامُ الرَّجُلُ النَّوْمَةَ فَتُقْبَضُ الْأَمَانَةُ مِنْ قَلْبِهِ، فَيَظَلُّ أَثَرُهَا مِثْلَ أَثَرِ الْوَكْتِ، ثُمَّ يَنَامُ النَّوْمَةَ فَتُقْبَضُ، فَيَبْقَى أَثَرُهَا مِثْلَ الْمَجْلِ، كَجَمْرٍ دَحْرَجْتَهُ عَلَى رِجْلِكَ فَنَفِطَ، فَتَرَاهُ مُنْتَبِرًا وَلَيْسَ فِيهِ شَيْءٌ، فَيُصْبِحُ النَّاسُ يَتَبَايَعُونَ، فَلَا يَكَادُ أَحَدٌ يُؤَدِّي الْأَمَانَةَ، فَيُقَالُ إِنَّ فِي بَنِي فُلَانٍ رَجُلًا أَمِينًا، وَيُقَالُ لِلرَّجُلِ مَا أَعْقَلَهُ وَمَا أَظْرَفَهُ وَمَا أَجْلَدَهُ، وَمَا فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ حَبَّةِ خَرْدَلٍ مِنْ إِيمَانٍ». (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ:٦٤٩٧، وَمُسْلِمٌ:١٤٣، وَالتِّرْمِذِيُّ:٢١٧٩، وَابْنُ مَاجَهْ:٤٠٥٣، وَأَحْمَدُ:٢٣٢٥٥)

[ترجمہ] حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (ایک مرتبہ) رسول اللہ ﷺ نے ہمیں دو باتیں بتائیں، ان میں سے ایک میں دیکھ چکا ہوں اور دوسری بات کا مجھے انتظار ہے۔ آپ ﷺ نے ہم سے بیان فرمایا: «امانت لوگوں کے دلوں کی گہرائی میں اتاری گئی۔ پھر لوگوں نے (اسے) قرآن سے جانا اور پھر سنت سے جانا۔» اس کے بعد آپ ﷺ نے اس (امانت) کے اٹھ جانے کے بارے میں ہم سے بیان فرمایا کہ: «آدمی سوئے گا تو اس کے دل سے امانت نکال لی جائے گی،

لیکن اس کا اثر ایک دھبے کے نشان کی طرح رہ جائے گا۔ پھر جب دوبارہ سوئے گا تو مزید امانت نکال لی جائے گی، اور اس (امانت) کا اثر آبلہ کے نشان کی طرح رہ جائے گا۔ جیسا کہ آگ کی چنگاری کو تم اپنے پاؤں پر ڈالو تو آبلہ پڑ جاتا ہے، اور تم اسے پھولا ہوا دیکھتے ہو، حالانکہ اس میں کچھ بھی نہیں ہوتا۔ پھر لوگ صبح خرید وفروخت میں لگ جائیں گے، لیکن کوئی آدمی ایسا نہ ہوگا جو امانت کو ادا کرے، یہاں تک کہ یوں کہا جائے گا کہ فلاں قبیلہ میں ایک امانت دار آدمی ہے۔ اور یوں کہا جائے گا کہ فلاں کتنا ہوشیار، کتنا ظریف اور کتنا چست ہے، حالانکہ اس کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر بھی ایمان نہ ہوگا۔» (صحیح بخاری، صحیح مسلم، جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ، مسند احمد)

[شرح] اس حدیث میں امانت سے مراد ایمان اور شرعی احکام ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے صحابہء کرام کو جو دو باتیں بتائیں تھیں ان میں سے پہلی بات کا حاصل یہ ہے کہ ایمان وشریعت کا نور فطرتاً ہر انسان کے دل میں اترتا ہے، پھر وہ قرآن وسنت کے ذریعہ مؤمنوں کے دلوں میں مستحکم اور قوی ہوجاتا ہے، اور نافرمانوں کے دلوں سے نکل جاتا ہے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے عہدِ رسالت میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس پہلی بات کا مصداق پایا کہ وہ ایمان وشریعت کے نور سے منور تھے، اوراسے قرآن وسنت کے ذریعہ خوب اچھی طرح جانتے اور سمجھتے تھے۔ اور دوسری بات اس امانت کے اٹھ جانے کے بارے میں تھی کہ وہ فتنوں کا دور ہوگا، اس وقت بعض مسلمان اپنے ایمان سے غافل اور شرعی احکام سے بے خبر ہوجائیں گے، اورگناہوں کے ارتکاب کی وجہ سے ان کے دل میں ایمان وشریعت کا اثر صرف ایک دھبہ کی طرح رہ جائے گا۔ پھر جب اور غفلت طاری ہوگی اورگناہوں

کا ارتکاب اور زیادہ ہوگا تو ان کے دل سے ایمان و شریعت کا وہ اثر بھی زائل ہو جائے گا۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسا کہ کوئی آدمی آگ کا انگارہ اپنے پیر پر ڈالے تو جلی ہوئی جگہ پر آبلہ اور چھالہ پڑ جاتا ہے جو بظاہر ابھرا ہوا نظر آتا ہے، لیکن حقیقت میں اس کے اندر گندہ پانی کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ اسی طرح فتنوں کے اس دور میں، ایمان سے غافل اور شریعت سے بے خبر مسلمان بھی بظاہر ہوشیار اور چالاک نظر آئیں گے، لوگ ان کی تعریف بھی کریں گے، لیکن ان کے دلوں میں رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان نام کی کوئی چیز نہ ہوگی۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو مسلمان ایمان و شریعت کی دولت سے بے خبر اور غافل ہو اس مسلمان کی عقلمندی اور چالاکی کی لوگ کتنی بھی تعریف کریں اسے احمق ہی سمجھا جائے گا۔

*****

٧٤- عَنْ النُّعْمَان بْن بَشِيرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: « الْحَلاَلُ بَيِّنٌ وَالْحَرَامُ بَيِّنٌ، وَبَيْنَهُمَا مُشَبَّهَاتٌ لاَ يَعْلَمُهَا كَثِيرٌ مِنَ النَّاسِ، فَمَنِ اتَّقَى الْمُشَبَّهَاتِ اسْتَبْرَأَ لِدِينِهِ وَعِرْضِهِ، وَمَنْ وَقَعَ فِي الشُّبُهَاتِ كَرَاعٍ يَرْعَى حَوْلَ الْحِمَى، يُوشِكُ أَنْ يُوَاقِعَهُ. أَلاَ وَإِنَّ لِكُلِّ مَلِكٍ حِمًى، أَلاَ إِنَّ حِمَى اللهِ فِي أَرْضِهِ مَحَارِمُهُ ». (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ:٥٢، وَمُسْلِمٌ:١٥٩٩، والتِّرْمِذِيُّ: ١٢٠٥، وأَبُو دَاوُدَ:٣٣٢٩، وَالنَّسَائِيُّ: ٤٤٥٣، وابْنُ مَاجَهْ:٣٩٨٤، وَأَحْمَدُ: ١٨٣٧٤)

[ترجمہ] حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ : «حلال واضح ہے اور حرام (بھی) واضح ہے، اور

ان دونوں کے درمیان کچھ ایسی مشتبہ چیزیں ہیں جنہیں بہت سے لوگ نہیں جانتے ہیں۔ سو جو شخص مشتبہ چیزوں سے بچا، اس نے اپنے دین اور اپنی آبرو کو بچالیا۔ اور جو مشتبہ چیزوں میں پڑا، (اس کی مثال) اس چرواہے کی سی ہے جو کسی چراگاہ کے ارد گرد چراتا ہو، توقریب ہے کہ اس چراگاہ میں بھی داخل ہو جائے۔ سنو! ہر بادشاہ کی چراگاہ کی ایک حد ہوتی ہے۔ خبردار رہو! اللہ کی حد اس کی زمین میں اس کی حرام کردہ چیزیں ہیں۔» (صحیح بخاری، صحیح مسلم جامع ترمذی، سنن ابو داؤد، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ، مسند احمد)

[شرح] حلال وحرام ہونے کے اعتبار سے چیزوں کی تین قسمیں ہیں: (۱) بعض چیزیں وہ ہیں جن کا حلال ہونا بالکل ظاہر اور واضح ہے، جیسے گائے، بکری، اونٹ اور بھیڑ کا گوشت اور ان کا دودھ، اور اسی طرح پھل، فروٹ، شہد، مچھلی، گیہوں اور چاول وغیرہ۔ ان چیزوں کا حلال ہونا سب کو معلوم ہے۔ (۲) اور بعض چیزیں وہ ہیں جن کا حرام ہونا بالکل ظاہر اور واضح ہے، جیسے سور، کتا اور مردار کا گوشت، اور شراب، زنا، جھوٹ، سود، چغل خوری، غیبت، چوری، ڈاکہ، اور قتل وغیرہ۔ ان چیزوں کا حرام ہونا بھی سب کو معلوم ہے۔ (۳) اور بعض چیزیں حلال وحرام کے درمیان میں ہیں، ان میں شبہ ہے اور عام لوگوں کے لیے ان کی حلت وحرمت واضح نہیں ہے، مثلاً ایک شخص نے کسی عورت سے نکاح کیا، تو ایک دوسری عورت نے آکر یہ خبر دی کہ اس نے ان دونوں یعنی میاں بیوی کو دودھ پلایا ہے، اب اگر یہ خبر دینے والی عورت سچی ہے تو نکاح درست نہیں ہوا، کیونکہ یہ دونوں رضاعی بھائی بہن ہوئے اور رضاعی بھائی بہن کے درمیان نکاح حرام ہے۔ اور اگر خبر دینے والی عورت جھوٹی ہے تو نکاح

درست ہے۔ چنانچہ یہ ایک مشتبہ مسئلہ بن گیا۔ شریعت میں اور بھی بہت سے ایسے مسائل ہیں جن میں ایک ہی مسلک کے علماء کے درمیان بہت اختلاف ہوتا ہے، بعض علماء ایک چیز کو جائز کہتے ہیں اور بعض دوسرے علماء اسی چیز کو ناجائز کہتے ہیں۔ ان مشتبہ اور اختلافی صورتوں میں اگر کوئی مسلمان صرف جواز کے راستے تلاش کرے تو وہ حرام اور ناجائز امور کا ارتکاب کرسکتا ہے، اور بہت سے فتنوں میں مبتلا ہو سکتا ہے۔ جیسے وہ چرواہا جو ایسی جگہ اپنا جانور چراتا ہو جہاں کسی دوسرے کی چراگاہ ہو تو وہاں اس بات کا قوی امکان ہوتا ہے کہ کہیں اس کا جانور دوسرے کی چراگاہ سے بھی نہ چر جائے اور پھر جھگڑے فساد کا باعث بنے۔ لہٰذا جس طرح اس چرواہے پر یہ ضروری ہے کہ وہ اپنے جانور کو ایسی چراگاہوں سے دور رکھے جہاں کسی اور کی چراگاہ ہو، اسی طرح ایک مسلمان پر یہ ضروری ہے کہ وہ مشتبہ چیزوں سے بچتا رہے اور ہمیشہ جواز کے راستے نہ تلاش کرے۔ اور جس طرح بادشاہ اپنے جانوروں کے لئے چراگاہ کی ایک حد بناتے ہیں۔ اللہ تبارک وتعالی نے مسلمانوں کے لئے اس دنیا میں زندگی گزارنے کی کچھ حدیں قائم کی ہیں۔ مثلاً شریعتِ اسلامیہ میں بد نظری اور زنا دونوں سے منع کیا گیا ہے۔ اب اگر کوئی شخص زنا سے بچنا چاہتا ہے تو اسے چاہیے کہ وہ پہلے بد نظری سے بچے تو زنا سے بھی باآسانی بچ سکتا ہے۔

*****

٧٥- عَنْ حُذَيْفَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: « تُعْرَضُ الْفِتَنُ عَلَى الْقُلُوبِ كَالْحَصِيرِ عُودًا عُودًا، فَأَيُّ قَلْبٍ أُشْرِبَهَا، نُكِتَ فِيهِ نُكْتَةٌ سَوْدَاءُ، وَأَيُّ قَلْبٍ أَنْكَرَهَا، نُكِتَ فِيهِ نُكْتَةٌ بَيْضَاءُ، حَتَّى تَصِيرَ

عَلَى قَلْبَيْنِ، عَلَى أَبْيَضَ مِثْلِ الصَّفَا فَلاَ تَضُرُّهُ فِتْنَةٌ مَا دَامَتِ السَّمَوَاتُ وَالأَرْضُ، وَالآخَرُ أَسْوَدُ مُرْبَادًّا كَالْكُوزِ، مُجَخِّيًا لاَ يَعْرِفُ مَعْرُوفًا، وَلاَ يُنْكِرُ مُنْكَرًا، إِلاَّ مَا أُشْرِبَ مِنْ هَوَاهُ ».(رَوَاهُ مُسْلِمٌ: ١٤٤، وَأَحْمَدُ: ٢٣٢٨٠)

[ترجمہ] حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ: «لوگوں کے دلوں پر اس طرح فتنے آئیں گے جس طرح چٹائی کے تنکے ایک دوسرے سے جڑے ہوتے ہیں۔ جو دل ان فتنوں میں مبتلا ہوگا اس دل میں سیاہ نقطہ لگ جائے گا، اور جو دل ان (فتنوں) کو قبول نہیں کریگا، اس دل میں سفید نقطہ لگ جائے گا، حتی کہ دل دو قسم کے ہوجائیں گے۔ ایک دل سفید سنگِ مرمر کی طرح، جس کو کوئی فتنہ نقصان نہیں پہنچاسکے گا جب تک زمین وآسمان قائم ہیں۔ اور دوسرا (دل) سیاہ خاکی رنگ کے اوندھے پیالہ کی طرح، جو نہ نیکی کو نیکی اور نہ برائی کو برائی جانے گا، صرف اپنی خواہشات میں مبتلا ہوگا۔» (صحیح مسلم، مسند احمد)

[شرح] ان فتنوں سے مراد باطل نظریات، فاسد خیالات، گمراہ کن عقائد، اور مسلمانوں کے آپسی اختلافات ہیں۔ ان فتنوں کے آنے اور دلوں پر اثر انداز ہونے کی مثال دی گئی کہ یہ فتنے اس طرح کثرت سے یکے بعد دیگرے آئیں گے، جس طرح چٹائی کے تنکے آگے پیچھے یکے بعد دیگرے جڑے رہتے ہیں۔ پھر ان فتنوں کے اثر انداز ہونے اور نہ ہونے کے اعتبار سے لوگوں کے دل دو قسم کے ہو جائیں گے۔ کچھ لوگ اپنے آپ کو ان فتنوں سے دور رکھیں گے۔ چنانچہ ان کے دل ایمان و تقوی سے اس طرح منور اور مضبوط ہوجائیں گے، جیسے سفید سنگِ مرمر کے اندر سفیدی اور قوت ہوتی ہے۔ ایسے مضبوط دل والے ان فتنوں سے کسی حال میں بھی متاثر نہ

ہونگے۔ اور کچھ لوگ ان فتنوں میں لگ جائیں گے۔ چنانچہ ان کے دل ایمان و تقوی کے نور سے اس طرح خالی ہو جائیں گے، جیسے سیاہ اوندھا پیالہ خالی ہوتا ہے۔ ایسے خالی دل والے ان فتنوں کا بہت جلد شکار ہو جائیں گے،اور نفسانی خواہشات کے غلام بن کر رہ جائیں گے۔ مسلمانوں میں یہ فتنے عہدِ فاروقی کے بعد رونما ہونے شروع ہوگئے تھے۔ اور آج بھی طرح طرح کے فتنے جنم لے رہے ہیں۔ دورِ حاضر کے فتنوں میں مغربی تہذیب، قادیانیت، سودی کاروبار اور نظامِ جمہوریت وغیرہ ہیں۔ اور آئندہ بھی ایک بہت بڑا اور خطرناک فتنہ، دجال اور یاجوج ماجوج کی صورت میں ظاہر ہونے والا ہے۔ ان فتنوں سے بچنے کا واحد راستہ یہ ہے کہ مسلمان قرآن وسنت پر عمل کرتے رہیں، اور فتنہ پردازوں سے متاثر نہ ہوں۔

*****

مال و دولت کی مثالیں

٧٦- عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الخُدْرِيِّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: « إِنَّ هَذَا المَالَ خَضِرَةٌ حُلْوَةٌ، وَإِنَّ كُلَّ مَا أَنْبَتَ الرَّبِيعُ يَقْتُلُ حَبَطًا أَوْ يُلِمُّ، إِلَّا آكِلَةَ الخَضِرَةِ، أَكَلَتْ حَتَّى إِذَا امْتَدَّتْ خَاصِرَتَاهَا، اسْتَقْبَلَتِ الشَّمْسَ، فَاجْتَرَّتْ وَثَلَطَتْ وَبَالَتْ، ثُمَّ عَادَتْ فَأَكَلَتْ. وَإِنَّ هَذَا المَالَ حُلْوَةٌ، مَنْ أَخَذَهُ بِحَقِّهِ، وَوَضَعَهُ فِي حَقِّهِ، فَنِعْمَ المَعُونَةُ هُوَ، وَمَنْ أَخَذَهُ بِغَيْرِ حَقِّهِ كَانَ كَالَّذِي يَأْكُلُ وَلاَ يَشْبَعُ» (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ:٦٤٢٧، وَمُسْلِمٌ:١٠٥٢، وَالنَّسَائِيُّ: ٢٥٨١، وابْنُ مَاجَهْ: ٣٩٩٥، وَأَحْمَدُ: ١١١٥٧)

[ترجمہ] حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ

ﷺ نے فرمایا: «بیشک یہ مال بڑا سر سبز وشاداب اور شیریں ہے، اور ربیع (موسمِ بہار) جو چیز اگاتی ہے (جانوروں کو) پیٹ پھلا کر مار دیتی ہے، یا مرنے کے قریب کر دیتی ہے، مگر وہ چرنے والا جانور جو (سبزہ) کھاتا ہے، یہاں تک کہ جب اس کی دونوں کوکھیں بھر جاتی ہیں تو وہ دھوپ کی طرف آتا ہے، جگالی کرتا ہے اور گوبر اور پیشاب کرتا ہے، پھر دوبارہ سبزہ کھاتا ہے (اور اسے کچھ نہیں ہوتا)۔ اور بیشک یہ مال بہت میٹھا ہے۔ جو شخص اس کو حق کے ساتھ لیتا ہے، اور حق ہی میں خرچ کرتا ہے، تو وہ مدد کا ذریعہ بنتا ہے۔ اور جو اسے ناحق طریقہ سے لیتا ہے، وہ اس شخص کی طرح ہے جو کھاتا ہے مگر سَیر نہیں ہوتا۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ، مسند احمد)

[شرح] اس مثال سے رسول اللہ ﷺ نے یہ بات سمجھائی ہے کہ مسلمانوں کے لیے مال ودولت کی کثرت اور رزق میں وسعت تو ایک اچھی چیز ہے، البتہ اس میں جو بُرائی آتی ہے وہ عوارض یعنی حرص، لالچ اور اسراف کی وجہ سے آتی ہے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں لوگ تین طرح کے ہوتے ہیں: (ا) بہت سے مسلمان مال و دولت کے حاصل ہوجانے کے بعد، اس کے استعمال میں بے اعتدالی کرتے ہیں، اور مال و دولت کے نشے میں غریبوں اور کمزورں پر ظلم و ستم ڈھاتے ہیں، جس کی وجہ سے یہ لوگ عذابِ الٰہی کی زد میں آکر ہلاک ہوتے ہیں۔ چنانچہ ان کی ہلاکت مال ودولت کی کثرت کی وجہ سے نہیں ہوتی، بلکہ خود ان کے اپنے غلط فعل اور لوگوں پر ظلم و ستم ڈھانے کی وجہ سے ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر موسمِ بہار میں اگنے والے سبزہ، گھاس اور ہریالی کی کثرت تو جانوروں کے لیے ایک اچھی اور بہت مفید

چیز ہے، مگر جانوروں میں بہت سے جانور ایسے بھی ہوتے ہیں جو ان سبزوں کو حد سے زیادہ کھالیتے ہیں جس کی وجہ سے وہ ہلاک ہوجاتے ہیں، یا بیماری میں مبتلا ہوجاتے ہیں۔ چنانچہ ان کی ہلاکت یا بیماری موسمِ بہار میں اگنے والے سبزہ، گھاس اور ہریالی کی وجہ سے نہیں ہوتی، بلکہ حد سے زیادہ کھالینے کی وجہ سے ہوتی ہے۔ (۲) اور بہت سے مسلمان ایسے ہوتے ہیں جو مال و دولت کے استعمال میں بے اعتدالی تو کرتے ہیں، لیکن جب انہیں اپنی ہلاکت کا احساس ہوتا ہے تو فوراً توبہ واستغفار کر کے اپنے آپ کو ہلاکت سے بچا لیتے ہیں۔ جیسے جانوروں میں بعض جانور ایسے ہوتے ہیں جو موسمِ بہار میں اگنے والے سبزہ، گھاس اور ہریالی کو خوب چرتے ہیں، یہاں تک کہ ان کے پیٹ پھول جاتے ہیں، پھر وہ دھوپ میں بیٹھ کر اپنا پیٹ نرم کرتے ہیں، تاکہ ان کے پیٹ میں جو کچھ ہے وہ پتلے گوبر کی شکل میں باہر آجائے اور وہ ہلاکت سے بچ جائیں۔ (۳) اور بعض مسلمان ایسے ہوتے ہیں جو جائز ناجائز کی تمیز کیے بغیر صرف مال پر مال جمع کرتے ہیں، اور اسے حق کی جگہ خرچ بھی نہیں کرتے۔ ان کی مثال اس شخص کی طرح ہے جس کو جُوعُ البَقَر (بھوک کی بیماری) ہو کہ کتنا بھی کھائے، مگر شکم سَیر نہ ہو۔ یا اس شخص کی طرح ہے جس کو استسقاء کی بیماری ہو کہ کتنا بھی پیے، مگر سیراب نہیں ہو۔ خلاصہء کلام یہ ہے کہ مال خوبصوت اور میٹھے پھل کی طرح ہے جو نظروں کو بھاتا ہے اور دلوں کو لُبھاتا ہے، اس لیے ہر شخص اس کا طالب ہوتا ہے اور اسے پسند بھی کرتا ہے۔ لہٰذا جو شخص اسے جائز طریقہ سے حاصل کرے اور اس کے ذریعہ اپنے اہل وعیال، غریبوں اور محتاجوں کی مدد کرے تو یہی مال اس کے لیے اجر وثواب حاصل کرنے کا بہت بڑا ذریعہ اور وسیلہ بن جاتا ہے۔ اسی حدیث میں "فنعم المعونہ

ھو" کہا گیا ہے۔ مال ودولت کی کثرت اور اس کی حقیقت سمجھنے کے لیے یہ بہت ہی بہترین مثال ہے۔

*****

٧٧- عَنْ أَسْمَاءَ أَنَّ امْرَأَةً قَالَتْ: يَا رَسُولَ اللهِ، إِنَّ لِي ضَرَّةً، فَهَلْ عَلَيَّ جُنَاحٌ إِنْ تَشَبَّعْتُ مِنْ زَوْجِي غَيْرَ الَّذِي يُعْطِينِي؟ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: « الْمُتَشَبِّعُ بِمَا لَمْ يُعْطَ، كَلاَبِسِ ثَوْبَيْ زُورٍ» (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ: ٥٢١٩، وَمُسْلِمٌ: ٢١٣٠، وَأَبُو دَاوُدَ:٤٩٩٧، وَأَحْمَدُ: ٢٦٩٢١)

[ترجمہ] حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک عورت نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! میری ایک سوکن ہے۔ اگر میں (اس پر) اپنے شوہر کی طرف سے کسی ایسی چیز کا اظہار کروں جو انھوں نے مجھے نہیں دی ہے، تو کیا مجھ پر کوئی گناہ ہوگا؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «نہ دی ہوئی چیز کا اظہار کرنے والا مکر کے دو کپڑے پہننے والے کی طرح ہے۔» (صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ابو داؤد، مسند احمد)

[شرح] جو شخص خوامخواہ مال ودولت کے ذریعہ دوسروں پر اپنی بڑائی جتاتا ہے اسے دوگنا، گناہ ملتا ہے۔ چنانچہ اگر کوئی عورت اپنی سوکن کو جلانے کے لیے اس کے سامنے اپنی بڑائی جتائے کہ میرے خاوند نے مجھے فلاں چیز دی ہے، حالاں کہ انھوں نے نہیں دی تھی، تو اس عورت پر دو جھوٹ بولنے کا گناہ ہوتا ہے۔ ایک تو سوکن پر اپنی بڑائی جتانے کا اور دوسرا حقیقت کے خلاف اظہار کرنے کا۔ اسی کو مثال میں مکروفریب کے دو کپڑے (چادر اور تہبند) پہننے والے کی طرح کہا گیا ہے۔ یعنی وہ

دو جھوٹ بولنے والا ہے، اس لیے اسے دوگنا، گناہ ملتا ہے۔ اسی طرح اگر کوئی آدمی حقیقت میں صالح نہیں ہے، مگر صلحاء کا لباس پہن کر لوگوں کو دھوکہ دیتا ہے، یا کوئی آدمی فقیر نہیں ہے، مگر فقیروں کی صورت بنا کر لوگوں سے مانگتا پھرتا ہے، تو انہیں بھی دوگناہ ملتا ہے۔

*****

٧٨- عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: « لاَ يَحْلُبَنَّ أَحَدٌ مَاشِيَةَ امْرِئٍ بِغَيْرِ إِذْنِهِ، أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَنْ تُؤْتَى مَشْرُبَتُهُ، فَتُكْسَرَ خِزَانَتُهُ، فَيُنْتَقَلَ طَعَامُهُ؟ فَإِنَّمَا تَخْزُنُ لَهُمْ ضُرُوعُ مَوَاشِيهِمْ أَطْعِمَاتِهِمْ، فَلاَ يَحْلُبَنَّ أَحَدٌ مَاشِيَةَ أَحَدٍ إِلاَّ بِإِذْنِهِ ». (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ:٢٤٣٥، وَمُسْلِمٌ:١٧٢٦، وَأَبُو دَاوُدَ: ٢٦٢٣، وَابْنُ مَاجَهْ:٢٣٠٢، وَأَحْمَدُ:٤٥٠٥)

[ترجمہ] حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ‹‹ کوئی آدمی کسی (دوسرے) آدمی کے جانور کا دودھ اس کی اجازت کے بغیر نہ دوہے۔ کیا تم میں سے کوئی اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اس کے توشہ خانہ میں آکر اس کے خزانہ کو توڑا جائے، اور اس کا غلہ نکال لیا جائے؟ اسی طرح ان کے جانوروں کے تھن ان کے لیے غذا جمع کرتے ہیں۔ لہٰذا کوئی آدمی کسی (دوسرے آدمی) کے جانور کا دودھ نہ دوہے، مگر اس کی اجازت سے۔›› (صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ابو داؤد، سنن ابن ماجہ، مسند احمد)

[شرح] گائے، بکری، بھینس، اونٹنی وغیرہ کے تھنوں میں دودھ کی مثال اسٹور روم میں رکھے ہوئے غلوں کی سی ہے۔ چنانچہ تھنوں میں محفوظ دودھ کا شرعی

اور قانونی حکم وہی ہے، جو حکم اسٹور روم میں محفوظ کیے ہوئے غلے یا کھانے پینے کی چیزوں کا ہے۔ لہٰذا جس طرح ایک آدمی اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ کوئی دوسرا آدمی اس کے اسٹور روم میں آئے، اور وہاں سے اس کے کھانے پینے کی چیزیں چوری سے اٹھالے جائے۔ اسی طرح جانوروں کے مالکان کو بھی یہ بات پسند نہیں ہے کہ ان کے جانوروں کے تھنوں سے کوئی آدمی چوری سے دودھ نکالے۔ حاصل یہ ہے کسی کی کوئی چیز بغیر اس کی اجازت کے استعمال میں نہیں لانی چاہیے۔

*****

٧٩- عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ النَّبِي صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: « الْعَائِدُ فِي هِبَتِهِ، كَالْكَلْبِ يَقِيءُ، ثُمَّ يَعُودُ فِي قَيْئِهِ». (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ:٢٥٨٩، وَمُسْلِمٌ:١٦٢٢، وَأَبُو دَاوُدَ:٣٥٣٨، والتِّرْمِذِيُّ:١٢٩٨، وَالنَّسَائِيُّ:٣٦٩١، وَأَحْمَدُ:١٨٧٢)

[ترجمہ] حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: «اپنے ہبہ کو واپس لینے والا اس کتے کی طرح ہے جو قئے کرتا ہے، پھر اپنی قئے چاٹتا ہے۔» (صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ابو داؤد، جامع ترمذی، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ، مسند احمد)

[شرح] کسی کو اپنی کوئی چیز، بلا کسی عوض، بطور تحفہ اور ہدیہ دینا، "ہبہ" کہلاتا ہے۔ ہبہ واپس لینا بہت بے مروتی اور بے شرمی کی بات ہے۔ جو آدمی اسے واپس لیتا ہے، اس آدمی کی مثال اس کتے جیسی ہے جو قئے کرتا ہے پھر اسی قئے کو چاٹتا اور کھاتا ہے۔ اس لیے کسی بھی مسلمان کے لیے کتوں جیسا گندہ اور غلیظ کام کرنا ہرگز

مناسب نہیں ہے۔

*****

دنیا کی مثالیں

٨٠- عَنِ الْمُسْتَوْرِدِ (بْنِ شَدَّادٍ) رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَال: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: « وَاللّٰهِ مَا الدُّنْيَا فِي الآخِرَةِ إِلاَّ مِثْلُ مَا يَجْعَلُ أَحَدُكُمْ إِصْبَعَهُ هَذِهِ فِي الْيَمِّ، فَلْيَنْظُرْ بِمَ يَرْجِعُ ». (رَوَاهُ مُسْلِمٌ:٢٨٥٨، والتِّرْمذِيُّ: ٢٣٢٣، وابْنُ مَاجَهْ:٤١٠٨، وَأَحْمَدُ: ١٨٠٠٨)

[ترجمہ] حضرت مستورد (بن شداد) رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ‹‹ اللہ کی قسم! دنیا کی مثال آخرت کے مقابلہ میں ایسی ہے، جیسا کہ تم میں سے کوئی شخص اپنی اس انگلی کو دریا میں ڈال کر نکالے، پھر دیکھے کہ کتنا (پانی انگلی پر) لگتا ہے۔›› (صحیح مسلم، جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ، مسند احمد)

[شرح] دنیا سے مراد وہ چیزیں ہیں جو اللہ سے غافل کردیں، اور جن کا فائدہ موت کے بعد حاصل نہ ہو۔ آخرت کی زندگی اور وہاں کی نعمتوں کے مقابلہ میں، اس دنیا کی زندگی اور یہاں کی چیزوں کی مثال ایسی ہے، جیسا کہ کوئی شخص اپنے ہاتھ کی ایک انگلی سمندر میں ڈبو کر نکالے، پھر دیکھے کہ اس کی انگلی پر کتنا پانی لگا ہے، تو جس طرح اس کی انگلی پر لگا ہوا پانی سمندر کے پانی کے مقابلہ میں کوئی حیثیت نہیں رکھتا، اسی طرح آخرت کے مقابلہ میں دنیا بھی کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ یعنی آخرت کی زندگی اور اس کی نعمتیں اگر سمندر کی طرح ہیں تو دنیا کی زندگی اور اس کی نعمتیں

ایک قطرہ پانی کی طرح بلکہ اس سے بھی کم۔ آخرت میں خوشگوار زندگی اور وہاں کی لازوال نعمتیں حاصل کرنے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ آدمی اپنی زندگی اور دنیاوی چیزوں کو اللہ تعالی کے حکم کے مطابق ثواب کی نیت سے استعمال کرے تو یہی زندگی اور یہی دنیاوی چیزیں اس کے لیے دین اور آخرت میں بہت بڑے انعام واکرام کا ذریعہ بن جائیں گی۔

*****

٨١- عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ بِالسُّوقِ، دَاخِلًا مِنْ بَعْضِ الْعَالِيَةِ، وَالنَّاسُ كَنَفَتَهُ، فَمَرَّ بِجَدْيٍ أَسَكَّ مَيِّتٍ، فَتَنَاوَلَهُ فَأَخَذَ بِأُذُنِهِ، ثُمَّ قَالَ: «أَيُّكُمْ يُحِبُّ أَنَّ هَذَا لَهُ بِدِرْهَمٍ؟» فَقَالُوا: مَا نُحِبُّ أَنَّهُ لَنَا بِشَيْءٍ، وَمَا نَصْنَعُ بِهِ؟ قَالَ: «أَتُحِبُّونَ أَنَّهُ لَكُمْ؟» قَالُوا: وَاللهِ لَوْ كَانَ حَيًّا، كَانَ عَيْبًا فِيهِ، لِأَنَّهُ أَسَكُّ، فَكَيْفَ وَهُوَ مَيِّتٌ؟ فَقَالَ: «فَوَاللهِ لَلدُّنْيَا أَهْوَنُ عَلَى اللهِ، مِنْ هَذَا عَلَيْكُمْ». (رَوَاهُ مُسْلِمٌ:٢٩٥٧، وأَبُو دَاوُدَ:١٨٦، وَأَحْمَدُ:١٤٩٣٠)

[ترجمہ] حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک مرتبہ بلندی کی جانب سے (مدینہ منورہ) داخل ہوتے ہوئے ایک بازار سے گزرے، اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ ﷺ کے جانب میں تھے۔ (راستہ میں) آپ ﷺ کو بکری کا چھوٹے کان والا مردہ بچہ نظر آیا، تو آپ ﷺ نے اس کا کان پکڑا اور فرمایا: «تم میں سے کون اسے ایک درہم میں لینا پسند کرے گا؟» صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: " ہم میں سے تو کوئی بھی اسے کسی چیز کے عوض

لینا پسند نہیں کرے گا اور ہم اسے کیا کریں گے؟" آپ ﷺ نے فرمایا: «کیا تم لوگ پسند کروگے کہ یہ (مفت میں) تمہیں مل جائے؟» صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: "واللہ! اگر یہ زندہ بھی ہوتا تو بھی اس میں ایک عیب تھا کہ یہ چھوٹے کان والا ہے، اور مردار بھی ہے، تو پھر کیسے؟!" آپ ﷺ نے فرمایا: «اللہ کی قسم! یہ دنیا اللہ کی نگاہ میں اس سے بھی کہیں زیادہ بے حیثیت ہے، جتنا کہ تمہاری نگاہ میں یہ (مردار ہے)۔» (صحیح مسلم، سنن ابو داؤد، مسند احمد)

[شرح] مطلب یہ ہے کہ اللہ جلّ شانُہ کی نگاہ میں اس دنیا کی کوئی حیثیت اور کوئی وقعت نہیں ہے۔ رحمتِ عالم ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مثال کے ذریعہ اس طرف متوجہ فرمایا کہ جیسے تم لوگ بکری کے اس مردہ بچہ کو خریدنا یا لینا پسند نہیں کرتے ہو، کیوں کہ یہ تمہاری نگاہ میں یہ ایک بے قیمت اور بے حیثیت چیز ہے، اسی طرح یہ دنیا اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی نظر میں بکری کے اس مردہ کان کٹے بچہ سے بھی زیادہ بے قیمت، بے حیثیت اور بے وقعت ہے۔ ایک دوسری حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا: «اگر اللہ کے نزدیک دنیا کی قیمت مچھر کے پر برابر بھی ہوتی تو کسی کافر کو اس سے ایک گھونٹ پانی بھی نہ دیتے۔» (جامع ترمذی: ۲۳۲۰)۔ اس لئے ہماری اس زندگی کا مقصودِ اصلی یہ فانی دنیا نہیں، بلکہ وہ آخرت ہونی چاہیے جہاں تمہارے لیے ہمیشہ ہمیشہ کی زندگی اور لازوال نعمتیں ہیں۔

*****

٨٢- عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: « الدُّنْيَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ وَجَنَّةُ الْكَافِرِ ». (رَوَاهُ مُسْلِمٌ:٢٩٥٦، والتِّرْمِذِيُّ:

٢٣٢٤، وابْنُ مَاجَهْ:٤١١٣، وَأَحْمَدُ: ٨٢٨٩)

[ترجمہ] حضرت ابو ھریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «دنیا مؤمن کے لیے قید خانہ ہے، اور کافر کے لیےجنت۔» (صحیح مسلم، جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ، مسند احمد)

[شرح] یہ دنیا مؤمن کے حق میں قید خانہ ہے کہ جس طرح قید خانہ میں قیدی طرح طرح کی مشقتیں اور تکلیفیں جھیلتا ہے، اسی طرح اس دنیا میں مؤمن اپنے دین کی خاطر مشقتیں اور تکلیفیں برداشت کرتا ہے، اپنی خواہشات کو روکتا ہے اور اپنے آپ کو حرام سے بچاتا ہے۔ اور کافر کے حق میں یہ دنیا جنت ہے کہ جس طرح جنت میں آزادی اور طرح طرح کی نعمتیں اور راحتیں ہیں، اسی طرح اس دنیا میں کافر کے لیے آزادی ہے کہ وہ اپنی خواہشات پر عمل کرتا ہے اور دنیا کی لذتوں اور شہوتوں سے فائدہ اٹھاتا ہے۔

*****

٨٣- عَنْ قَتَادَةَ بْنِ النُّعْمَانِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: « إِذَا أَحَبَّ اللهُ عَبْدًا حَمَاهُ الدُّنْيَا، كَمَا يَظَلُّ أَحَدُكُمْ يَحْمِي سَقِيمَهُ الْمَاءَ ». (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ:٢٠٣٦، وَقَالَ: حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ، وَالْحَاكِمُ: ٧٤٦٤، وَقَالَ: حَدِيثٌ صَحِيحُ الْإِسْنَادِ)

[ترجمہ] حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «جب اللہ تعالی کسی بندے سے محبت فرماتے ہیں تو اس کو دنیا سے اس طرح بچاتے ہیں، جس طرح تم میں سے کوئی اپنے مریض کو پانی سے بچاتا

ہے۔›› (جامع ترمذی، مستدرک حاکم)

[شرح] پانی زندگی کے لیے کتنی اہم اور ضروری چیز ہے، اس کے باوجود اگر ڈاکٹر کسی مریض کے لیےاس کا استعمال مضر بتادے تو مریض کے گھر والے اپنے مریض کو اس سے بچانے کی ہر ممکن کوشش کرتے ہیں، تاکہ مریض جلد صحت یاب ہوجائے۔ اسی طرح دنیا کا مال و متاع بھی انسان کی زندگی کے لیے بہت اہم ہے، مگر مال و متاع کی زیادتی سے آخرت کے بگڑنے کا ڈر رہتاہے۔ اس لیے اللہ سبحانہ وتعالی جس بندے کو اپنا حبیب بناتے ہیں اور اس کو آخرت میں اپنی لازوال نعمتوں سے نوازنا چاہتے ہیں تو اسے دنیا کی ہر اس چیز سے دور رکھتے ہیں جو اس کی اخروی زندگی کے لئے نقصان دہ ہو۔

*****

٨٤- عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا، قَالَ: أَخَذَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَنْكِبِي، فَقَالَ: «كُنْ فِي الدُّنْيَا كَأَنَّكَ غَرِيبٌ، أَوْ عَابِرُ سَبِيلٍ». (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ: ٦٤١٦، والتِّرْمِذِيُّ: ٢٣٣٣، وابْنُ مَاجَهْ:٤١١٤، وَأَحْمَدُ:٦١٥٦)

[ترجمہ] حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے میرا مونڈھا پکڑا اور فرمایا: ‹‹تم دنیا میں مسافر یا راہ گزر کی طرح رہو۔›› (صحیح بخاری، جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ، مسند احمد)

[شرح] مطلب یہ ہے کہ اس دنیا کو مسافرخانہ سمجھو، اور خود مسافر کی طرح رہو کہ جس طرح ایک مسافر اپنے ساتھ ساز و سامان بہت کم رکھتاہے، اسی طرح تم

بھی اس دنیا میں ساز وسامان کم رکھو۔ یا یہ کہ تم اس دنیا کو اپنے لیے ایک گزر گاہ سمجھو کہ جس طرح ایک راہ گزر راستے کی چیزوں سے اپنا دل نہیں لگاتا، بلکہ اپنی منزل کی طرف رواں دواں رہتا ہے، اسی طرح تم بھی اس دنیا سے اپنا دل مت لگاؤ، بلکہ اپنے وطنِ اصلی یعنی آخرت کی طرف رواں دواں رہو۔ اور نیک اعمال کے ذریعہ اپنی آخرت بناتے رہو کیوں کہ تمہاری آخری اور اصل منزل تو آخرت ہی ہے۔

*****

٨٥- عَنْ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: خَطَّ النَّبِي صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَطًّا مُرَبَّعًا، وَخَطَّ خَطًّا فِي الْوَسَطِ خَارِجًا مِنْهُ، وَخَطَّ خُطُطًا صِغَارًا إِلَى هَذَا الَّذِي فِي الْوَسَطِ، مِنْ جَانِبِهِ الَّذِي فِي الْوَسَطِ، وَقَالَ: « هَذَا الإِنْسَانُ، وَهَذَا أَجَلُهُ مُحِيطٌ بِهِ - أَوْ قَدْ أَحَاطَ بِهِ- وَهَذَا الَّذِي هُوَ خَارِجٌ أَمَلُهُ، وَهَذِهِ الْخُطُطُ الصِّغَارُ الأَعْرَاضُ، فَإِنْ أَخْطَأَهُ هَذَا نَهَشَهُ هَذَا، وَإِنْ أَخْطَأَهُ هَذَا نَهَشَهُ هَذَا ». (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ:٦٤١٧، وَالتِّرْمِذِيُّ: ٢٤٥٤، وابْنُ مَاجَهْ: ٤٢٣١، وَأَحْمَدُ:٣٦٥٢)

[ترجمہ] حضرت عبد اللہ (بن مسعود) رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (ایک مرتبہ) نبی ﷺ نے مربع نما لکیروں کی ایک شکل بنائی۔ پھر بیچ میں ایک لکیر کھینچی جو اس مربع سے باہر نکلی ہوئی تھی۔ پھر اس (شکل) کے بیچ کی لکیر پر چھوٹی چھوٹی لکیریں بنائیں اور فرمایا: «یہ (درمیانی لکیر) آدمی ہے۔ اور یہ (مربع نما لکیریں) اس کی موت ہے جو اس کو گھیرے ہوئے ہے -یا اسے گھیر لیے ہے-۔ اور یہ (لکیر) جو باہر نکلی ہوئی ہے اس کی امیدیں ہیں۔ اور یہ چھوٹی چھوٹی لکیریں حادثات ومصائب ہیں۔ اگر وہ ایک (حادثہ) سے بچ جاتا ہے تو دوسرا حادثہ اسے پیش آجاتا ہے۔ اور اگر

اس سے بچ جاتاہے تو تیسرا پیش آجاتا ہے۔ (صحیح بخاری، جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ، مسند احمد)

[شرح] انسان کی زندگی اور موت، اور اس کی امیدوں کو سمجھانے کے لیے رسول اللہ ﷺ نے ایک نقشہ بنایا۔ اس نقشہ میں پہلے مربع نما ایک شکل بنائی، پھر اس مربع شکل کے درمیان میں ایک بہت لمبی لکیر کھینچی جو اس مربع کے احاطہ سے بھی بہت باہر نکلی ہوئی تھی، اور پھراس مربع کے بیچ میں اندر کے جانب سے بہت سی چھوٹی چھوٹی لکیریں کھینچیں۔ پھر فرمایا کہ اس مربع کے بیچ میں جو لکیر ہے اس سے مراد انسان اور اس کی زندگی ہے۔ اور مربع کی چاروں لیکریں اس کی موت ہے کہ انسان موت میں اسی طرح گھرا ہوا ہے، جس طرح یہ درمیانی لکیر اس مربع کی چاروں لکیروں کے بیچ میں گھری ہوئی ہے۔ اور یہ لمبی لکیر جو اس مربع سے بھی بہت باہر نکلی ہوئی ہے، اس سے مراد انسان کی لمبی لمبی امیدیں اور اس کی آرزوئیں ہیں، جنہیں وہ موت سے پہلے حاصل کرنا چاہتا ہے، لیکن حاصل کرنے سے پہلے ہی اسے موت آکر دبوچ لیتی ہے۔ اور اندر کی چھوٹی چھوٹی لکیروں سے مراد انسان کی بیماریاں اور حوادث وغیرہ ہیں جو آئے دن اسے موت کا پیغام دیتے رہتے ہیں۔ حاصل یہ ہے کہ انسان کو موت چاروں طرف سے ہر وقت گھیرے ہوئے ہے، اور آفتیں اور مصیبتیں اس پر ہر دم مسلط ہیں، پھر بھی انسان مرنے کی تیاری کرنے کے بجائے، دنیا کی محبت اور لمبی لمبی امیدیں لگائے بیٹھا ہے۔

*****

حکومت ووزارت کی مثالیں

٨٦- عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: « إِنَّكُمْ سَتَحْرِصُونَ عَلَى الإِمَارَةِ، وَسَتَكُونُ نَدَامَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ، فَنِعْمَ الْمُرْضِعَةُ وَبِئْسَتِ الْفَاطِمَةُ ». (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ:٧١٤٨، وَالنَّسَائِيُّ: ٤٢١١، وَأَحْمَدُ: ٩٧٩١)

[ترجمہ] حضرت ابو ھریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: «عنقریب تم حکمرانی کی حرص کروگے، حالاں کہ وہ قیامت کے دن ندامت (کا سبب) ہوگی، (جیسا) کہ دودھ پلانے والی اچھی لگتی ہے، اور دودھ چھڑانے والی بری۔» (صحیح بخاری، سنن نسائی، مسند احمد)

[شرح] رسولِ اقدس ﷺ کے اس ارشاد گرامی کا مطلب یہ ہے کہ آئندہ اس امت کے لوگ حکومت وزارت کی طلب اور اس کی لالچ کریں گے، اور اسے زبردستی حاصل کرنے کی کوشش کریں گے، حالانکہ ایسی حکومت ووزارت جو طلب کرنے کے بعد جبراً حاصل کی جائے، قیامت کے روز باعثِ ندامت ہوگی۔اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک بچے کو دودھ پلانے والی عورت شروع شروع میں تو بہت اچھی لگتی ہے مگر وہی عورت جب دودھ چھوڑاتی ہے تو اسے بری لگتی ہے، اسی طرح آدمی کو اس دنیامیں حکومت و وزارت کا ملنا تو بہت اچھا لگتاہے، مگر قیامت کے روز جب اس کا حساب ہوگا تو یہی حکومت و وزارت اسے بری لگے گی۔ اس حدیث کا یہ مطلب نہیں کہ مسلمان حکومت ووزارت کو مشرکوں، کافروں، اور یہودونصاری کے حوالے

کردیں اور خود ان کے تابع بن کر رہیں، ہر گز یہ مطلب نہیں ہے، بلکہ حدیث سے مراد بس یہ ہے کہ مسلمان آپس میں حکومت ووزارت کے لیے نہ لڑیں، کیوں کہ قیامت کے روز ان عہدوں کا بھی حساب لیا جائے گا۔

*****

٨٧- عَنْ عَوْفِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «... هَلْ أَنْتُمْ تَارِكُونَ لِي أُمَرَائِي؟ إِنَّمَا مَثَلُكُمْ وَمَثَلُهُمْ كَمَثَلِ رَجُلٍ اسْتُرْعِي إِبِلاً، أَوْ غَنَمًا، فَرَعَاهَا، ثُمَّ تَحَيَّنَ سَقْيَهَا، فَأَوْرَدَهَا حَوْضًا، فَشَرَعَتْ فِيهِ فَشَرِبَتْ صَفْوَهُ، وَتَرَكَتْ كَدَرَهُ، فَصَفْوُهُ لَكُمْ، وَكَدَرُهُ عَلَيْهِمْ ». (رَوَاهُ مُسْلِمٌ:١٧٥٣، وَأَحْمَدُ:٢٣٩٨٧)

[ترجمہ] حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «۔۔۔کیا تم لوگ میرے مقرر کئے ہوئے امیروں کو چھوڑنے والے ہو، بس تم لوگوں کی اور ان لوگوں کی مثال ایسی ہے جیسے کسی آدمی نے اونٹ یا بکریاں چرانے کے لیے لیں، انہیں چرایا اور جب ان کے پانی پینے کا وقت دیکھا تو حوض پر لایا۔ تو انہوں نے اس میں پانی پینا شروع کر دیا۔ اس کا صاف صاف پانی پی ڈالا اور تلچھٹ چھوڑ دیا۔ تو (اسی طرح) اس کی عمدہ چیزیں تم لوگوں کے لیے ہیں اور بری چیزیں امراء کے لئے ہیں۔» (صحیح مسلم، مسند احمد)

[شرح] اس حدیث کے راوی حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ نے ایک واقعہ ذکر کیا ہے کہ غزوۂ مؤتہ میں ہمارے لشکر کے امیر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ تھے۔ ہمارے ساتھ جنگ میں قبیلۂ حِمْیَرَ کا مَدَدِی نامی ایک آدمی بھی تھا،

اس نے دشمنوں میں سے ایک آدمی کو قتل کردیا۔ مقتول سرخ وسفید گھوڑے پر سوار تھا، اس مقتول کے گھوڑے کی زین اور پٹکا مخلوط سونے کا تھا، یہی حال اس کی تلوار کا بھی تھا۔ فتح حاصل ہونے کے بعد جب حِمیر کے اس آدمی نے مقتول کا سارا سامان لینے کا ارادہ کیا تو ہمارے لشکر کے امیر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اسے کچھ سامان دیا اور کچھ سامان اپنے پاس روک لیا۔ حضرت عوف رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت خالد رضی اللہ عنہ سے عرض کیا: "اے خالد! کیا تمہیں معلوم نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مقتول کا سارا سامان قاتل کے لیے مقرر فرمایا ہے؟" حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے کہا: "میں جانتا ہوں لیکن یہ سامان بہت زیادہ تھا اس لیے میں نے اس میں سے کچھ روک لیا ہے اور کچھ دے دیا ہے۔" جب یہ لشکر واپس مدینہ منورہ پہنچا تو رسول اللہ ﷺ کو اس واقعہ کی خبر دی گئی تو آپ ﷺ نے فرمایا: «اے خالد! تم نے اُس آدمی سے جو کچھ لیا ہے اسے واپس کر دو۔» حضرت عوف رضی اللہ عنہ نے حضرت خالد رضی اللہ عنہ سے کہا: "دیکھو خالد! جو میں نے کہا تھا وہی ہوا، نا۔" حضور اقدس ﷺ نے یہ سنا تو بہت ناراض ہوئے، اور فرمایا: «اے خالد! اب اسے ہر گز نہ دینا۔» پھر آپ ﷺ نے وہ مثال بیان فرمائی جو متن میں ذکر کی گئی ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ اپنے لشکر کے امیر کو بے جا طعن و تشنیع کا نشانہ مت بنایا کرو، کیوں کہ کسی لشکر یا جماعت کے امیر کو بہت سی چیزوں کا اختیار حاصل ہوتا ہے۔ اور عوام کا حال تو عجیب ہے کہ وہ لوگ خوشگوار حالات میں اپنی کارکردگی پر امیر سے بخشش و انعام مانگتے ہیں، اور ناخوشگوار حالات میں اسی امیر کو طعن و تشنیع کا نشانہ بھی بناتے ہیں۔ جس طرح کہ کسی چرواہے کی بکریاں، بھیڑ اور اونٹ وغیرہ کسی

حوض پر آکر اس کا اچھا پانی پی جاتے ہیں اور اس کا گندہ پانی چھوڑ کر چل دیتے ہیں۔ انہی جانوروں کی طرح عوام الناس بھی ہوتے ہیں کہ عمدہ باتیں اپنے لیے پسند کرتے ہیں اور بری باتیں اپنے نگراں اور امراء کے لئے۔

*****

٨٨- عَنِ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: « مَا ذِئْبَانِ جَائِعَانِ أُرْسِلاَ فِي غَنَمٍ بِأَفْسَدَ لَهَا مِنْ حِرْصِ الْمَرْءِ عَلَى الْمَالِ وَالشَّرَفِ لِدِينِهِ ». (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ:٢٣٧٦، وقَالَ: حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ، وَأَحْمَدُ:١٥٧٨٤، وَقَالَ شُعَيْب الأَرْنَؤوط: إِسْنَادُهُ صَحِيْحٌ)

[ترجمہ] حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «دو بھوکے بھیڑیئے جنہیں بکریوں میں چھوڑ دیا جائے تو انہیں اتنا نقصان نہیں پہنچاتے، جتنا کہ آدمی کے مال اور جاہ کی حِرص اس کے دین کو (نقصان پہنچاتی ہے)۔» (جامع ترمذی، مسند احمد)

[شرح] حِرص کا معنی ہے کسی چیز کی لالچ یا آرزو کرنا، اور یہی حرص اگر مال وجاہ کے لیے ہو تو نقصان دہ ہوتی ہے۔ حدیثِ پاک کا مطلب یہ ہے کہ دو بھوکے بھیڑیوں کو بکریوں کے ریوڑ میں چھوڑ دیا جائے تو وہ دونوں بھیڑیے بکریوں کے لیے جتنا نقصان دہ ہیں، اس سے کہیں زیادہ تم میں سے کسی کا مال ودولت اور حکومت ووزارت کی لالچ کرنا اس کے دین کے لیے نقصان دہ ہے۔ اس لیے جس کے اندر امانت داری اور حکومت ووزرت کی صلاحیت نہ ہو اس کے لیے بہتر یہی ہے کہ وہ ان چیزوں کی طرف لالچ کی نگاہ سے نہ دیکھے۔ بلکہ کسبِ حلال کے ذریعہ جو مل جائے،

بس اسی پر قناعت کرے۔ اور کسی سے بے جا سوال کرنا بھی حریص ہونے کی علامت ہے۔ ایک حدیث میں سرورِ دو عالم ﷺ نے فرمایا : ‹‹تم میں سے کوئی لکڑیوں کا گٹھا بنا کر اپنی پیٹھ پر لادے۔ پھر انہیں بیچے، تو یہ اس کے لئے اس سے بہتر ہے کہ وہ کسی آدمی سے بھیک مانگے اور وہ آدمی اسے دے یا نہ دے۔›› (صحیح مسلم : ۱۰۴۲)

*****

انصارِ مدینہ کی مثالیں

۸۹- عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ، قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: « أَيُّهَا النَّاسُ، فَإِنَّ النَّاسَ يَكْثُرُونَ، وَتَقِلُّ الأَنْصَارُ حَتَّى يَكُونُوا كَالْمِلْحِ فِي الطَّعَامِ، فَمَنْ وَلِيَ مِنْكُمْ أَمْرًا يَضُرُّ فِيهِ أَحَدًا، أَوْ يَنْفَعُهُ، فَلْيَقْبَلْ مِنْ مُحْسِنِهِمْ، وَيَتَجَاوَزْ عَنْ مُسِيئِهِمْ». (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ: ۳۸۰۰)

[ترجمہ] حضرت (عبد اللہ) بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ‹‹اے لوگو! بیشک لوگوں کی تعداد بڑھتی جائے گی، اور انصار کم ہوتے جائیں گے، یہاں تک کہ وہ کھانے میں نمک کی طرح رہ جائیں گے۔ لہٰذا تم میں سے جس شخص کو کوئی ایسا عہدہ مل جائے جس سے وہ کسی کو نقصان یا نفع پہنچا سکتا ہے، تو اسے چاہیے کہ انصار کے نیک کاروں (کی نیکیاں) قبول کرے اور ان کے خطا کاروں (کی خطائیں) در گزر کرے۔›› (صحیح بخاری)

[شرح] انصار (رضی اللہ عنہم) سے مراد مدینہ کے وہ لوگ ہیں جو اللہ - وحدہٗ لا شریک لہ - پر اور حضرت محمد ﷺ پر ایمان لائے، اور اپنے جان و مال سے دینِ

اسلام اور اللہ کے رسول ﷺ کی ہر طرح سے مدد کی۔ حضرت رسول اللہ ﷺ نے اپنی آخری مجلس میں یہ وصیت فرمائی تھی کہ دیکھو! لوگ تو ہجرت کر کے مدینہ آتے رہیں گے، اور ان کی تعداد روز بروز بڑھتی رہے گی، لیکن یہ انصارِ مدینہ رضی اللہ عنہم کم ہوتے جائیں گے، یہاں تک کہ ہجرت کر کے آنے والوں کے مقابلہ میں، ان کا تناسب کھانے میں نمک کے برابر رہ جائے گا۔ اس لئے اکثریت والے اقلیت والوں پر ہرگز ظلم نہ کریں۔ اور تم میں سے جس کو ایسا کوئی اقتدار حاصل ہو کہ جس کے ذریعہ سے وہ لوگوں کو فائدہ یا نقصان پہنچاسکتا ہو تو اسے چاہیے کہ وہ انصار رضی اللہ عنہم کا خاص خیال رکھےاور ان کی مدد کرے۔ اور اگر کسی انصاری ؓ سے کوئی خطا سرزد ہوجائے تو اس کے ساتھ عفو و درگذر کا معاملہ کرے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اصحابِ اقتدار کو بزرگانِ دین کا خاص خیال رکھنا چاہیے، ان کی خصوصی مدد کرنی چاہیے اور ان کے ساتھ عفو و درگذر کا معاملہ کرنا چاہیے۔

*****

٩٠- عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ أَبُو الْقَاسِمِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: « مَنْ أَرَادَ أَهْلَ هَذِهِ الْبَلْدَةِ بِسُوءٍ - يَعْنِي الْمَدِينَةَ - أَذَابَهُ اللهُ كَمَا يَذُوبُ الْمِلْحُ فِي الْمَاءِ ». رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ:١٨٧٧، وَمُسْلِمٌ:١٣٨٦ وَاللَّفْظُ لَهُ، ١٣٨٧، وابْنُ مَاجَهْ: ٣١١٤، وَأَحْمَدُ: ٧٧٥٥)

[ترجمہ] حضرت ابو ھریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ابو القاسم ﷺ نے فرمایا: «جو شخص اس شہر -یعنی مدینہ- والوں کے ساتھ برے سلوک کا ارادہ کریگا، اللہ اسے اس طرح پگھلا دیں گے، جس طرح نمک پانی میں پگھل جاتا ہے۔»

(صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ابن ماجہ، مسند احمد)

[شرح] مطلب یہ ہے کہ جو شخص اہلِ مدینہ کے ساتھ کسی قسم کے مکروفریب، ایذاء رسانی، یا ان پر حملہ کرنے کا ارادہ کریگا تو جس طرح پانی میں نمک پگھل جاتا ہے، اسی طرح اللہ عزّ وجلّ اس شخص کو یا تو دنیا ہی میں ہلاک کردیں گے۔ یا آخرت میں جہنم کی آگ میں پگھلادیں گے۔ صحیح مسلم (۱۳۶۳) میں ہے: «اَذَابَہُ اللّٰہُ فِی النَّارِ ذَوبَ الرَّصَاصِ». یعنی اللہ اسے آگ میں اس طرح پگھلادیں گے جیسا کہ سیسہ پگھلتا ہے۔

*****

۹۱ – عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، جَاءَ أَعْرَابِيٌّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَبَايَعَهُ عَلَى الإِسْلاَمِ، فَجَاءَ مِنَ الغَدِ مَحْمُومًا فَقَالَ: أَقِلْنِي، فَأَبَى ثَلاَثَ مِرَارٍ، فَقَالَ: «المَدِينَةُ كَالكِيرِ تَنْفِي خَبَثَهَا وَيَنْصَعُ طَيِّبُهَا» (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ:١٨٨٣، وَمُسْلِمٌ:١٣٨٣، والتِّرْمِذِيُّ: ٣٩٢٠، وَالنَّسَائِيُّ: ٤١٨٥، وَأَحْمَدُ: ١٤٢٨٤)

[ترجمہ] حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دیہاتی نبی ﷺ کی خدمت میں آیا، اور آپ ﷺ سے اسلام پر بیعت کی، پھر دوسرے دن آیا تو اسے بخار تھا، اس نے عرض کیا: "میری بیعت فسخ کردیجیے۔" آپ ﷺ نے تین مرتبہ انکار کیا، پھر فرمایا: «مدینہ (منورہ) ایک بھٹی کی طرح ہے جو اپنے میل کچیل کو دور کردیتی ہے اور اپنے اچھے کو صاف رکھتی ہے۔» (صحیح بخاری، صحیح مسلم، جامع ترمذی، سنن نسائی، مسند احمد)

[شرح] "مدینہ طیبہ" کا نام پہلے "یثرِب" تھا جس کا معنی ہے ہلاک اور

تباہی، ہجرت کے بعد سرکارِ دوعالم ﷺ نے اس شہر کا نام مدینہ اور طیبہ رکھا۔ اسی لئے اب اسے "یثرِب" کے بجائے "مدینہ طیبہ" کہا جاتا ہے، جس کا معنی ہے اچھا اور پاک شہر۔ اس حدیث کا شانِ ورود یہ ہے کہ ایک دیہاتی نے تاجدارِ مدینہ ﷺ سے اس بات پر بیعت کی کہ وہ آپ کی صحبت میں رہے گا۔ کچھ ہی دنوں بعد اسے بہت تیز بخار ہو گیا تو وہ آپ ﷺ کی خدمت میں آیا اور کہنے لگا کہ آپ میری بیعت فسخ کر دیجیے۔ آپ ﷺ نے انکار کر دیا۔ تین مرتبہ ایسا ہی ہوا۔ چنانچہ وہ تاجدارِ مدینہ کی اجازت کے بغیر ہی مدینہ سے بھاگ گیا۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ «مدینہ طیبہ ایک بھٹی کی طرح ہے۔۔۔۔» کہ جس طرح بھٹی لوہے کے میل کچیل صاف کر دیتی ہے اور خالص لوہا باقی رکھتی ہے، اسی طرح مدینہ طیبہ برے لوگوں کو اپنے ہاں سے دور کر دیتی ہے اور خالص عمدہ لوگوں کو اپنے اندر باقی رکھتی ہے

*****

سیدہ عائشہؓ کی مثالیں

٩٢- عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُولُ: «فَضْلُ عَائِشَةَ عَلَى النِّسَاءِ كَفَضْلِ الثَّرِيدِ عَلَى سَائِرِ الطَّعَامِ». (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ: ٣٧٧٠، وَمُسْلِمٌ: ٢٤٤٦، والتِّرْمِذِيُّ: ٣٨٨٧، وَالنَّسَائِيُّ: ٣٩٤٨، وابْنُ مَاجَهْ: ٣٢٨١، وَأَحْمَدُ: ١٢٥٩٧)

[ترجمہ] حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ: «عائشہؓ کی فضیلت تمام عورتوں پر ایسی ہے جیسے ثرید

کی فضیلت دوسرے تمام کھانوں پر۔» (صحیح بخاری، صحیح مسلم، جامع ترمذی، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ، مسند احمد)

[شرح] "ثرید " ایک نہایت لذیذ کھانے کا نام ہے جو روٹی کو گوشت کے شوربے میں بھگو کر تیار کیا جاتا ہے۔ حدیثِ پاک کا مطلب یہ ہے کہ ام المؤمنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو دنیا کی تمام عورتوں پر ایسی ہی فضیلت حاصل ہے جیسے ثرید کھانہ کو دوسرے تمام اقسام کے کھانوں پر فضیلت ہے۔ حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو ثرید کے ساتھ مثال دینے کی وجہ یہ ہے کہ حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا حسنِ سیرت اور علمی و عملی و ادبی کمالات میں دنیا کی تمام عورتوں سے منفرد ہیں۔

*****

٩٣ – عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا، قَالَتْ: قُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ، أَرَأَيْتَ لَوْ نَزَلْتَ وَادِيًا وَفِيهِ شَجَرَةٌ قَدْ أُكِلَ مِنْهَا، وَوَجَدْتَ شَجَرًا لَمْ يُؤْكَلْ مِنْهَا، فِي أَيِّهَا كُنْتَ تُرْتِعُ بَعِيرَكَ؟ قَالَ: «فِي الَّذِي لَمْ يُرْتَعْ مِنْهَا» تَعْنِي أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَتَزَوَّجْ بِكْرًا غَيْرَهَا. (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ:٥٠٧٧)

[ترجمہ] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے عرض کیا: "یا رسول اللہ (ﷺ)! اگر آپ کسی وادی میں تشریف لے جائیں اور اس میں ایسے درخت ہوں جن سے کھایا گیا ہو، اور آپ کو ایک ایسا درخت مل جائے جس سے کچھ نہ کھایا گیا ہو، تو آپ بتائیں ان میں سے کس درخت سے آپ اپنا اونٹ چرائیں گے؟" آپ ﷺ نے فرمایا: «جس سے نہ چرا گیا ہو۔» حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مراد

یہ تھی کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کے علاوہ کسی کنواری عورت سے شادی نہیں کی۔ (صحیح بخاری)

[شرح] سرکارِ دوعالم ﷺ نے مختلف دینی اغراض کے پیشِ نظر گیارہ عورتوں سے نکاح کیا۔ جن میں حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ سب کے سب بیوہ تھیں۔ اس حدیث پاک میں حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے اسی طرف اشارہ کیا ہے کہ آپ ﷺ کا نکاح میرے علاوہ باقی سب عورتوں سے ان کی بیوگی کی حالت میں ہوا، اس لیے میری مثال وادی کے اس درخت جیسی ہے جس سے نہ کھایا گیا ہو، اور میری سوکنوں کی مثال وادی کے ان درختوں جیسی ہے جن سے پہلے کھایا جا چکا ہو۔

*****

فرحت، رحمت وسلطنتِ الٰہی کی مثالیں

٩٤- عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: « كَيْفَ تَقُولُونَ بِفَرَحِ رَجُلٍ انْفَلَتَتْ مِنْهُ رَاحِلَتُهُ، تَجُرُّ زِمَامَهَا بِأَرْضٍ قَفْرٍ لَيْسَ بِهَا طَعَامٌ وَلاَ شَرَابٌ، وَعَلَيْهَا لَهُ طَعَامٌ وَشَرَابٌ، فَطَلَبَهَا حَتَّى شَقَّ عَلَيْهِ، ثُمَّ مَرَّتْ بِجِذْلِ شَجَرَةٍ، فَتَعَلَّقَ زِمَامُهَا، فَوَجَدَهَا مُتَعَلِّقَةً بِهِ ». قُلْنَا: شَدِيدًا، يَا رَسُولَ اللهِ. فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: « أَمَا وَاللهِ لَلَّهُ أَشَدُّ فَرَحًا بِتَوْبَةِ عَبْدِهِ، مِنَ الرَّجُلِ بِرَاحِلَتِهِ » (رَوَاهُ مُسْلِمٌ: ٢٧٤٦، وَأَحْمَدُ: ١٨٤٩٢)

[ترجمہ] حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «تم لوگ کیا کہتے ہو اس شخص کی خوشی کے بارے میں جس

سے اس کی سواری کسی ایسے سنسان جنگل میں جہاں پر نہ کھانا ہو اور نہ پانی اپنی نکیل کی رسی کھینچتی ہوئی بھاگ گئی ہو، اور اس پر اس شخص کا کھانا اور پانی رکھا ہو۔ اور وہ اسے تلاش کر کے تھک چکا ہو۔ پھر وہ سواری کسی درخت کے تنے کے پاس سے گزرے تو اس تنے سے اس کی نکیل اٹک جائے، اور وہ شخص اس سواری کو تنے سے اٹکی ہوئی پالے؟» ہم نے عرض کیا: "یا رسول اللہ! وہ بہت خوش ہوگا۔" تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «سنو! اللہ کی قسم! اللہ تعالی اپنے بندہ کی توبہ پر اس شخص کو اپنی سواری مل جانے کی خوشی سے بھی زیادہ خوش ہوتے ہیں۔» (صحیح مسلم، مسند احمد)

[شرح] "توبہ" سے مراد یہ ہے کہ آدمی جس گناہ سے توبہ کر رہا ہے پہلے اسے ترک کرے، پھر اللہ کی بارگاہ میں رو رو کر معافی مانگے، اپنے کیے پر ندامت کا اظہار کرے، آیندہ اسے نہ کرنے کا عہد بھی کرے اور اگر کسی کا حق مارا ہے تو اسے ادا کرے۔ ایسی سچی توبہ سے اللہ جلَّ شانُہٗ بہت زیادہ خوش ہوتے ہیں۔ اللہ رب العزت کی اس خوشی کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا ہے۔ بس مثال کے طور پر اس شخص کی خوشی بارے میں سمجھ لیجیے جو اپنے سفر کے دوران کسی ایسے دور دراز جنگل میں اترے جہاں کھانے پینے کی کوئی چیز دستیاب نہ ہو۔ اس کے ساتھ جو سواری ہو اسی پر اس کا کھانا، پینا، زادِ راہ اور ضرورت کی دوسری اشیاء ہوں۔ پھر وہ آدمی آرام کرنے کے لیے اسی جنگل میں سو جائے۔ سو کر اٹھے تو دیکھے کہ اس کی سواری مع ساز وسامان موجود نہیں ہے۔ وہ آدمی تلاش کرنے کے لیے نکلے، ادھر ادھر پھرتا رہے کہ اچانک اسے اپنی سواری کسی درخت سے اٹکی ہوئی مل جائے۔ ظاہر ہے کہ اس آدمی کو اپنی گمشدہ سواری مل جانے سے بے انتہا خوشی ہوگی۔ اسی طرح جب کوئی بندہ ندامت کے ساتھ اللہ

سبحانہ وتعالیٰ کے حضور توبہ و استغفار کرتا ہے تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ اپنے اس بندہ کی توبہ واستغفار سے بہت زیادہ خوش ہوتے ہیں، اسے معاف کردیتے ہیں اور اس کی سیئات کو حَسنات سے بدل دیتے ہیں۔

*****

٩٥ - عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِي صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: « مَا تَوَطَّنَ رَجُلٌ مُسْلِمٌ الْمَسَاجِدَ لِلصَّلاَةِ وَالذِّكْرِ، إِلاَّ تَبَشْبَشَ اللهُ لَهُ، كَمَا يَتَبَشْبَشُ أَهْلُ الْغَائِبِ بِغَائِبِهِمْ إِذَا قَدِمَ عَلَيْهِمْ ». (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَهْ: ٨٠٠، وَأَحْمَدُ: ٨٣٥٠، وَقَالَ شُعَيْب الأَرْنَؤوط: رِجَالُه ثِقَاتٌ رِجَالُ الشَّيْخَيْنِ. وَالْحَاكِمُ: ٧٧١، وَقَالَ: حَدِيثٌ صَحِيحٌ عَلَى شَرْطِ الشَّيْخَيْنِ)

[ترجمہ] حضرت ابو ھریرہ رضی اللہ عنہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: «جو مسلمان مرد نماز اور ذکر کے لیے مساجد کو اپنا ٹھکانا بناتا ہے تو اللہ اس سے ایسا خوش ہوتے ہیں، جیسا کہ غائب کے گھر والے اپنے غائب سے خوش ہوتے ہیں جب وہ ان کے پاس آتا ہے۔» (سنن ابن ماجہ، مسند احمد، مستدرک حاکم)

[شرح] مسجد اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا گھر ہے، اور اس میں آنے والے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے گھر والے ہیں۔ لہٰذا جو شخص نماز، ذکر، تلاوت، تعلیم یا اعتکاف وغیرہ کے لیے مسجد آتا رہتا ہے تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ اس کے مسجد آنے پر بہت خوش ہوتے ہیں، اس کے گناہوں کو معاف کردیتے ہیں اور اس کے درجات کو بلند کردیتے ہیں۔ اللہ رب العزت کی اس وقت کی خوشی کو سمجھنے کے لیے مثال کے طور پر کسی پردیسی کے

گھر والوں کی اس خوشی کو سمجھ لیجیے جب وہ لوگ اپنے پردیسی کے گھر واپس آنے پر خوش ہوتے ہیں، یا مثال کے طور پر جب کوئی دوست اپنے پردیسی دوست سے مل کر خوش ہوتا ہے۔

*****

٩٦- عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، أَنَّهُ قَالَ: قَدِمَ عَلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِسَبْيٍ، فَإِذَا امْرَأَةٌ مِنَ السَّبْيِ تَبْتَغِي، إِذَا وَجَدَتْ صَبِيًّا فِي السَّبْيِ، أَخَذَتْهُ فَأَلْصَقَتْهُ بِبَطْنِهَا وَأَرْضَعَتْهُ، فَقَالَ لَنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: « أَتَرَوْنَ هَذِهِ الْمَرْأَةَ طَارِحَةً وَلَدَهَا فِي النَّارِ؟». قُلْنَا: لا، وَاللهِ وَهِيَ تَقْدِرُ عَلَى أَنْ لاَ تَطْرَحَهُ. فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: « لَلَّهُ أَرْحَمُ بِعِبَادِهِ مِنْ هَذِهِ بِوَلَدِهَا ». (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ: ٥٩٩٩، وَمُسْلِمٌ: ٢٧٥٤ وَاللَّفْظُ لَهُ)

[ترجمہ] حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس کچھ قیدی لائے گئے۔ ان قیدیوں میں ایک عورت (اپنا بچہ) تلاش کر رہی تھی۔ جونہی اس نے قیدیوں میں بچہ کو پایا، اسے اٹھایا اور اپنے پیٹ سے لگا کر اسے دودھ پلانے لگی۔ تو رسول اللہ ﷺ نے ہم سے فرمایا: «تمہارا کیا خیال ہے کہ یہ عورت اپنے بچہ کو آگ میں ڈال سکتی ہے؟» ہم نے عرض کیا: "اللہ کی قسم نہیں، حتی المقدور اسے نہیں ڈالے گی۔" رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «اللہ اپنے بندوں پر اس سے کہیں زیادہ مہربان ہیں، جتنا کہ یہ (عورت) اپنے بچہ پر مہربان ہے۔» (صحیح مسلم، صحیح بخاری)

[شرح] ایک ماں کا اپنے بچہ پر رحم و کرم کا یہ معاملہ ہوتا ہے کہ وہ کسی حال

میں بھی یہ نہیں چاہتی کہ اس کے بچہ کو آگ میں ڈالا جائے۔ بس اسی طرح یہ بھی سمجھنا چاہیے کہ اللہ سبحانہ وتعالی تو ماں سے بھی زیادہ اپنے بندوں پر رحم وکرم کا معاملہ کرتے ہیں۔ انہوں نے قرآنِ کریم اسی لیے نازل فرمایا، اور رسول اللہ ﷺ کو بھی اسی لیے مبعوث فرمایا تاکہ ان کے بندے جہنم کی آگ میں جانے سے بچ جائیں۔ حقیقت تو یہی ہے کہ ہم ان کے رحم وکرم کا اندازہ ہی نہیں کرسکتے۔ اس دنیا میں انہی کے رحم وکرم کا صدقہ ہے کہ تمام مخلوق ایک دوسرے پر رحم وکرم کا معاملہ کرتی ہے۔ ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «اللہ تعالیٰ نے رحمت کے سو حصے کیے۔ نناوے حصے اپنے پاس رکھے۔ اور ایک حصہ زمین پر اتارا۔ چنانچہ اسی ایک حصہ کی وجہ سے مخلوق ایک دوسرے پر رحم کرتی ہے۔ یہاں تک کہ گھوڑا اپنے بچہ کے اوپر سے اپنے کھر اٹھا لیتا ہے اس ڈر سے کہ اسے تکلیف ہوگی۔» (صحیح بخاری: ٦٠٠٠)۔ سوچیے کہ اللہ سبحانہ وتعالی کی رحمت کے سو حصوں میں سے صرف ایک حصہ کا یہ عالم ہے، تو قیامت کے روز جب وہ اپنی رحمت کے نناوے دروازے بھی کھول دیں گے تو اس روز ان کی رحمت کا کیا عالم ہوگا!۔

*****

٩٧ - عَنْ أَبِي ذَرٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فِيمَا رَوَى عَنِ اللهِ تَبَارَكَ وَتَعَالَى أَنَّهُ قَالَ: «... يَا عِبَادِي لَوْ أَنَّ أَوَّلَكُمْ وَآخِرَكُمْ وَإِنْسَكُمْ وَجِنَّكُمْ قَامُوا فِي صَعِيدٍ وَاحِدٍ فَسَأَلُونِي فَأَعْطَيْتُ كُلَّ إِنْسَانٍ مَسْأَلَتَهُ، مَا نَقَصَ ذَلِكَ مِمَّا عِنْدِي إِلَّا كَمَا يَنْقُصُ الْمِخْيَطُ إِذَا أُدْخِلَ الْبَحْرَ». (رَوَاهُ مُسْلِمٌ: ٢٥٧٧، وَأَحْمَدُ: ٢١٤٢٠)

[ترجمہ] حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے اللہ تبارک وتعالی سے (حدیثِ قدسی) روایت کیاہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: «۔۔۔ اے میرے بندو! اگر تمہارے اگلے اور پچھلے، اور انسان اور جنات ایک چٹیل میدان میں کھڑے ہو جائیں، پھر وہ سب مجھ سے مانگیں اور میں ہر انسان (وجنات) کی مانگ پوری کر دوں، تب بھی میرے پاس جو خزانہ ہے اس میں صرف اسی قدر کمی ہو گی جس قدر کہ ایک سوئی (سمندر کا پانی) کم کرتی ہے جب اسے سمندر میں ڈبو کر نکالا جاتاہے۔»
(صحیح مسلم، مسند احمد)

[شرح] مطلب یہ ہے کہ تمام آسمان و زمین کے خزانوں کے مالک صرف اللہ تبارک وتعالیٰ ہیں۔ ان کا خزانہ سمندر کی طرح ہے، اور ان کی تمام مخلوق کی ضروریات قطرہ کی طرح ہیں۔ چنانچہ اگر ساری کی ساری مخلوق ایک جگہ جمع ہو کر، اللہ تبارک و تعالی سے اپنی اپنی ضروریات مانگیں، اور وہ ہر ایک کو فرداً فرداً، اس کی آخری خواہش کے مطابق عطا کر دیں، تب بھی ان کے خزانہ میں کوئی کمی نہیں آئے گی۔ جس طرح کہ سمندر میں سوئی ڈبو کر نکالنے سے سمندر کا پانی کم نہیں ہوتا، اسی طرح ساری مخلوق کو عطا کر دینے سے ان کے خزانے میں کوئی کمی نہیں آئے گی۔ اس لیے اللہ کے بندوں کو چاہیے کہ وہ زیادہ سے زیادہ نیکیاں اپنے نامہء اعمال میں جمع کرتے رہیں کیوں کہ قیامت کے روز اللہ تبارک وتعالیٰ تمام نیکیوں کا پورا پورا بدلہ اپنے وسیع خزانہ سے عطا کریں گے۔

*****

٩٨ – عَنْ مَالِكٍ بِنْ نَضْلَة الْجُشَمِيُّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى

اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «... أَرَأَيْتَ لَوْ كَانَ لَكَ عَبْدَانِ، أَحَدُهُمَا يُطِيعُكَ، وَلَا يَخُونُكَ، وَلَا يَكْذِبُكَ، وَالْآخَرُ يَخُونُكَ، وَيَكْذِبُكَ؟»، قَالَ قُلْتُ: لَا، بَلْ الَّذِي لَا يَخُونُنِي، وَلَا يَكْذِبُنِي، وَيَصْدُقُنِي الْحَدِيثَ أَحَبُّ إِلَيَّ، قَالَ: «كَذَاكُمْ أَنْتُمْ عِنْدَ رَبِّكُمْ عَزَّ وَجَلَّ». (رَوَاهُ أَحْمَدُ:١٧٢٢٨، وَقَالَ شُعَيْب الأَرْنَؤوط: إِسْنَادُهُ صَحِيْحٌ)

[ترجمہ] حضرت مالک بن نضلہ جُشمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «... تم یہ بتاؤ! اگر تمہارے پاس دو غلام ہوں، ان دونوں میں سے ایک تمہاری اطاعت کرتا ہو، تم سے خیانت نہ کرتا ہو اور تم سے جھوٹ نہ بولتا ہو۔ اور دوسرا تم سے خیانت کرتا ہو اور تم سے جھوٹ بھی بولتا ہو؟» راوی کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: "نہیں، بلکہ وہ (غلام) میرے نزدیک پسندیدہ ہے جو مجھ سے نہ خیانت کرتا ہو اور نہ مجھ سے جھوٹ بولتا ہو اور میری بات بھی مانتا ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «بس یہی حال تم لوگوں کا تمہارے اللہ رب العزت کے نزدیک ہے۔» (مسند احمد)

[شرح] اس مثال کا شانِ ورود یہ ہے کہ اس حدیث کے راوی حضرت مالک بن نضلہ جشمی رضی اللہ عنہ ایک مال دار آدمی تھے۔ انہوں نے رسالتِ مآب ﷺ کی خدمت میں ایک مرتبہ عرض کیا کہ "آپ کس چیز کی دعوت دیتے ہیں؟" محبوبِ دوجہاں ﷺ نے فرمایا: «اللہ کی وحدانیت اور صلہ رحمی کی۔» انہوں نے عرض کیا کہ "اگر میرے پاس میرے چچا کے بیٹوں میں سے کوئی آئے اور میں قسم کھالوں کہ اس کو اپنے مال سے کچھ بھی نہ دوں گا، پھر اس کو کچھ دے دیتا ہوں، تو؟"

محبوبِ دوجہاں ﷺ نے فرمایا: «تم اپنی قسم کا کفارہ ادا کرو اور جو کام بہتر ہو وہ کیا کرو۔» پھر رسول اللہ ﷺ نے مذکورہ مثال بیان فرمائی جس کا حاصل یہ ہے کہ اگر کوئی آدمی دو غلاموں کا مالک ہے تو وہ اپنے اُس غلام کو پسند کرتا ہے جو امانت دار، سچ بولنے والا اور اس کی بات ماننے والا ہو۔ اور اُس غلام کو پسند نہیں کرتا جو خیانت کرنے والااور جھوٹا ہو۔ یہی چیز اللہ رب العزت بھی اپنے بندوں سے چاہتے ہیں۔ چنانچہ وہ اپنے اُسی بندہ کو پسند کرتے ہیں جو نیکی اور صلہ رحمی کرنے والا ہو۔ اور اُس بندہ کو پسند نہیں فرماتے جو برائی اور قطع رحمی کرنے والا ہو۔ معلوم ہوا کہ اگر کسی شخص نے کسی گناہ کی قسم کھالی ہے، مثلاً یہ کہہ دیا کہ "اللہ کی قسم میں اپنے فلاں بھائی کی مدد نہ کروں گا، یا اس سے نہ بولوں گا"، تو اس وقت اس شخص کو اپنی قسم توڑ کر قسم کا کفارہ ادا کرنا چاہیے، کیونکہ اللہ رب العزت اپنے بندوں سے گناہ کا کام پسند نہیں فرما تے۔

*****

جنت و جہنم میں جانے والوں کی مثالیں

٩٩ – عَنْ أَبِي سَعِيدٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ، إِنِّي لَأَطْمَعُ أَنْ تَكُونُوا شَطْرَ أَهْلِ الجَنَّةِ، إِنَّ مَثَلَكُمْ فِي الأُمَمِ كَمَثَلِ الشَّعَرَةِ البَيْضَاءِ فِي جِلْدِ الثَّوْرِ الأَسْوَدِ، أَوِ الرَّقْمَةِ فِي ذِرَاعِ الحِمَارِ».

(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ: ٦٥٣٠، وَمُسْلِمٌ: ٢٢٢)

[ترجمہ] حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول

اللہ ﷺ نے فرمایا: «اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے، میں امید کرتا ہوں کہ اہلِ جنت کی آدھی تعداد تمہاری ہوگی۔ بیشک تمہاری مثال دوسری امتوں کے اعتبار سے ایسی ہے جیسے سفید بال سیاہ بیل کی کھال میں، یا سفید نشان گدھے کی اگلی ران میں۔» (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

[شرح] مطلب یہ ہے کہ اس دنیا کے تمام انسان جب قیامت کے روز ایک جگہ جمع ہوں گے تو اس روز مسلمانوں کی تعداد غیر مسلموں کی بہ نسبت بہت ہی کم ہوگی۔ جیسے ایک سفید بال سیاہ بیل کی کھال میں ہو، یا کوئی سفید نشان گدھے کی اگلی ران میں ہو۔ یعنی کفار ومشرکین اور ہندوس وغیرہ سیاہ کھال کی طرح ہیں، اور ان کے درمیان مسلمان اس سیاہ کھال میں سفید بال کی طرح ہیں۔ اس لیے قیامت کے روز جہنم میں جانے والوں کی تعداد بہت زیادہ ہوگی، اور جنت میں جانے والوں کی تعداد بہت ہی کم ہوگی کیوں کہ جنت میں صرف مسلمان ہی داخل ہوں گے۔ پھر اولادِ آدم میں جتنے لوگ جنت میں جائیں گے ان جنتیوں کی مجموعی تعداد کا آدھا حصہ صرف امتِ محمدیہ کے مسلمان ہوں گے۔

*****

١٠٠- عَنْ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: بَيْنَمَا نَحْنُ مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي هَذَا الشِّعْبِ، إِذْ قَالَ: «انْظُرُوا هَلْ تَرَوْنَ شَيْئًا؟». فَقُلْنَا: نَرَى غِرْبَانًا، فِيهَا غُرَابٌ أَعْصَمُ أَحْمَرُ الْمِنْقَارِ وَالرِّجْلَيْنِ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «لاَ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مِنَ النِّسَاءِ، إِلاَّ مَنْ كَانَ مِنْهُنَّ مِثْلَ هَذَا الْغُرَابِ فِي الْغِرْبَانِ». (رَوَاهُ أَحْمَدُ: ١٧٧٧٠، وَقَالَ شُعَيْب الأَرْنَؤوط:

إِسْنَادُهُ صَحِيْحٌ. وَالْحَاكِمُ: ٨٧٨١، وَقَالَ: حَدِيثٌ صَحِيحٌ عَلَى شَرْطِ مُسْلِمٍ)

[ترجمہ] حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ ہم لوگ نبی ﷺ کے ساتھ (حج یا عمرہ کے سفر میں) اسی جگہ پر تھے، کہ آپ ﷺ نے فرمایا: «دیکھو! کیا تمہیں کچھ نظر آ رہا ہے؟» ہم نے عرض کیا کہ "چند کوے دکھائی دے رہے ہیں، جن میں ایک کوا سفید پر کا ہے، جس کی چونچ اور دونوں پاؤں سرخ رنگ کے ہیں"۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «عورتوں میں سے اسی کے بقدر جنت میں داخل ہو نگی جیسے یہ کوا ان کووں میں ہے۔» (مسند احمد، مستدرک حاکم)

[شرح] مراد یہ ہے کہ جنت میں مردوں کی بنسبت عورتیں بہت کم تعداد میں داخل ہوں گی۔ مثال کے طور پر کووں میں سفید پر اور سرخ چونچ اور سرخ پاؤں والے کوے بہت کم پائے جاتے ہیں، اسی طرح عورتوں میں جنتی عورتیں بہت کم پائی جاتی ہیں۔ ایک مرتبہ امام المرسلین ﷺ نے عورتوں کو مخاطب کر کے فرمایا: «میں نے جہنمیوں میں تمہاری اکثریت دیکھی ہے۔» عورتوں نے کہا: ایسا کیوں؟ یا رسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ نے فرمایا: «(اس لئے کہ) تم سب لعن و طعن کرتی ہو اور شوہر کی ناشکری کرتی ہو۔» (صحیح بخاری: ۱۴۶۲)

*****

١٠١ – عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «إِنَّ حَوْضِي أَبْعَدُ مِنْ أَيْلَةَ مِنْ عَدَنٍ لَهُوَ أَشَدُّ بَيَاضًا مِنَ الثَّلْجِ، وَأَحْلَى مِنَ الْعَسَلِ بِاللَّبَنِ، وَلَآنِيَتُهُ أَكْثَرُ مِنْ عَدَدِ النُّجُومِ، وَإِنِّي لَأَصُدُّ النَّاسَ عَنْهُ، كَمَا

يَصُدُّ الرَّجُلُ إِبِلَ النَّاسِ عَنْ حَوْضِهِ» قَالُوا: يَا رَسُولَ اللهِ أَتَعْرِفُنَا يَوْمَئِذٍ؟ قَالَ: «نَعَمْ لَكُمْ سِيمَا لَيْسَتْ لِأَحَدٍ مِنَ الْأُمَمِ تَرِدُونَ عَلَيَّ غُرًّا، مُحَجَّلِينَ مِنْ أَثَرِ الْوُضُوءِ» (رَوَاهُ مُسْلِمٌ:٢٤٧)

[ترجمہ] حضرت ابو ھریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «میرا حوض اَیلہ سے عَدَن تک کے فاصلہ سے بھی زیادہ ہے۔ (اس کا پانی) برف سے زیادہ سفید اور دودھ سے ملی شہد سے زیادہ میٹھا ہے۔ اور اس کے برتنوں کی تعداد آسمان کے تاروں سے بھی زیادہ ہے۔ اور میں اس حوض سے دوسری امتوں کو اس طرح روکوں گا جس طرح کوئی آدمی غیر کے اونٹوں کو اپنے حوض سے روکتا ہے۔» صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: "یا رسول اللہ! کیا آپ ہمیں اس روز پہچان لیں گے؟" آپ ﷺ نے فرمایا: «ہاں، تمہاری ایک خاص علامت ہوگی جو پہلی امتوں میں سے کسی کے لئے نہ ہوگی۔ تم لوگ میرے سامنے اس حال میں آؤ گے کہ تمہارے (ہاتھ پاؤں اور چہرے) وضو کے اثر سے روشن اور چمکدار ہونگے۔» (صحیح مسلم)

[شرح] "اَیلہ" اور "عَدَن" دونوں شہر کے نام ہیں، "اَیلہ" بحرِ قلزم کے شمالی سرے پر اور "عَدَن" اس کے جنوبی سرے پر واقع ہے۔ مراد یہ ہے کہ حوضِ کوثر ہزاروں کلو میٹر سے زیادہ لمبا چوڑا ہے اور اِن دونوں شہروں کے درمیان جتنا فاصلہ ہے، اس سے کہیں زیادہ فاصلہ اس حوض کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک ہے۔ اس حوض کا پانی برف سے زیادہ سفید اور اس شہد سے زیادہ میٹھا اور لذیذ ہے جس شہد میں دودھ ملا ہو۔ اور اس پر پینے کے لیے برتنوں اور آبخوروں کی تعداد آسمان

کے تاروں سے بھی زیادہ ہیں۔ قیامت کے روز حوضِ کوثر کے اس لذیذ پانی کو صرف آپ ﷺ کی امت کے نیک افراد ہی پئیں گے۔ اور ہمارے شافعِ محشر ﷺ اپنی امت کے ہر ہر فرد کو پہچان لیں گے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: "یا رسول اللہ ﷺ! آپ کے وہ امتی جو ابھی تک نہیں آئے، آپ انہیں کیسے پہچانیں گے؟" آپ ﷺ نے (جواب میں) فرمایا: «بتاؤ! اگر کسی شخص کے سفید پیشانی اور سفید پاؤں والے گھوڑے، سیاہ رنگ کے گھوڑوں میں مل جائیں تو کیا وہ شخص اپنے گھوڑوں کو پہچان نہ لے گا؟» صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: "کیوں نہیں، یا رسول اللہ!" آپ ﷺ نے فرمایا: «اسی طرح وہ لوگ بھی (قیامت کے روز اس حال میں) آئیں گے کہ (ان کے چہرے، ہاتھ اور پاؤں) وضو کی وجہ سے چمکتے دمکتے ہونگے اور میں حوض پر ان کا منتظر رہونگا۔ (صحیح مسلم: ۲۴۹) چنانچہ جو مسلمان اس حوض سے ایک مرتبہ پی لے گا اسے کبھی پیاس نہ لگے گی۔ چونکہ حوضِ کوثر خصوصاً آپ ﷺ کو عطا کیا گیا ہے اس لیے آپ ﷺ دوسری امتوں کو وہاں سے اس طرح بھگائیں گے جیسے کوئی آدمی اس دنیا میں اپنے نجی حوض سے یا اپنے کھیت سے غیروں کے اونٹ ہانکتا ہے اور بھگاتا ہے۔

*****

۱۰۲ – عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ،... قُلْنَا: يَا رَسُولَ اللهِ، وَمَا الْجِسْرُ؟ قَالَ: مَدْحَضَةٌ مَزِلَّةٌ، عَلَيْهِ خَطَاطِيفُ وَكَلَالِيبُ، وَحَسَكَةٌ مُفَلْطَحَةٌ لَهَا شَوْكَةٌ عُقَيْفَاءُ، تَكُونُ بِنَجْدٍ، يُقَالُ لَهَا: السَّعْدَانُ، الْمُؤْمِنُ عَلَيْهَا كَالطَّرْفِ وَكَالْبَرْقِ وَكَالرِّيحِ وَكَأَجَاوِيدِ الْخَيْلِ وَالرِّكَابِ، فَنَاجٍ مُسَلَّمٌ، وَنَاجٍ مَخْدُوشٌ

وَمَكْدُوسٌ فِي نَارِ جَهَنَّمَ، حَتَّى يَمُرَّ آخِرُهُمْ يُسْحَبُ سَحْبًا... » رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ: ٧٤٣٩، وَمُسْلِمٌ: ١٨٣)

[ترجمہ] حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم (صحابہ) نے عرض کیا: "یا رسول اللہ ﷺ! پل صراط کیا ہے؟" آپ ﷺ نے فرمایا: «پھسلنے گرنے کی جگہ ہے۔ اس پر کانٹے، آنکڑے اور چوڑے کانٹے اور ایسے خم دار کانٹے جو نجد میں ہوتے ہیں جنہیں سعدان کہاجاتاہے۔ مؤمن اس پر سے گزر جائیں گے پلک جھپکنے کی طرح، بجلی کی طرح، ہواء کی طرح، تیز رفتار گھوڑوں کی طرح، سواریوں کی طرح۔ بعض مسلمان صحیح سلامت گزر جائیں گے۔ اور بعض زخمی حالت میں پار ہوں گے۔ اور بعض شکست خوردہ جہنم میں گرپڑیں گے۔ یہاں تک کہ ان میں کاآخری شخص گھسٹتا ہوا بمشکل پار ہوسکے گا۔» (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

[شرح] قیامت کے روز جب حساب وکتاب کا مرحلہ گزر جائے گا توجنت میں جانے کے لیے جہنم کی پشت پر ایک راستہ بنایا جائے گا جسے پل صراط کہاجاتاہے۔ یہ راستہ پھِسلادینے والا، کانٹے دار اور آنکڑوں والا ہوگا۔ اس پر سے ہر شخص کو خواہ جنتی ہو یا جہنمی گزرنا ہوگا۔ جیساکہ قرآنِ کریم میں ہے۔ ترجمہ: ﴿تم میں سے ہر ایک کو جہنم کے اوپر سے گزرنا ضروری ہے اور یہ تمہارے رب کا پکہ فیصلہ ہے﴾ (مریم: ۷۱)۔ اس پل صراط پر سے گزرنے کی رفتار ہر شخص کی اس کے عقیدہ اور اعمال کے اعتبار سے ہوگی۔ اس رفتار کی تشبیہ دی گئی کہ سب سے افضل طبقہ کے لوگ پلک جھپکنے کی طرح گزرجائیں گے۔ دوسرے طبقہ کے لوگ بجلی کی چمک کی طرح نہایت تیزی سے پار ہوجائیں گے۔ اس کے بعد تیسرے طبقہ کے کچھ لوگ تیز

رفتار گھوڑوں کی طرح اور کچھ لوگ عام سواروں کی طرح سے گذریں گے۔اور آخر میں جب گناہ گار مسلمان گزریں گے تو انہیں بہت پریشانیوں اور دقتون کا سامنا کرنا پڑے گا، یہاں تک کہ ان میں کا آخری شخص کسی طرح گھسٹتا ہوا زخموں سے لہو لہان بڑی مشکل سے پار ہوگا۔ اور کفار، مشرکین اور منافقین وغیرہ تو اس پل پر سے ٹھوکریں کھا کھاکر جہنم میں گریں گے جس کی گہرائی ستر سال کی مسافت کے برابر ہے۔

*****

١٠٣ – عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «إِنَّ أَهْوَنَ أَهْلِ النَّارِ عَذَابًا مَنْ لَهُ نَعْلَانِ وَشِرَاكَانِ مِنْ نَارٍ، يَغْلِي مِنْهُمَا دِمَاغُهُ كَمَا يَغْلِي الْمِرْجَلُ». (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ:٦٥٦٢، وَمُسْلِمٌ:٢١٣، وَاللَّفْظُ لَهُ)

[ترجمہ] حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «جہنمیوں میں سب سے ہلکے عذاب والا وہ شخص ہوگا جس کو آگ کی دو جوتیاں تسموں کے ساتھ پہنائی جائیں گی جن سے اس شخص کا دماغ اس طرح کھول رہا ہوگا جس طرح ہانڈی جوش سے کھولتی ہے۔» (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

[شرح] دوزخ میں بعض لوگوں کو سخت اور بعض لوگوں کو ہلکا عذاب ہو گا، دنیا میں جو آدمی جس درجہ کا بد عقیدہ اور بد عمل ہوگا، اس کو قیامت کے روز اسی درجہ کا عذاب بھی ہوگا۔ چنانچہ دوزخ میں کسی کے دونوں ٹخنوں تک، کسی کے دونوں زانوں تک، کسی کی کمر تک، اور کسی کی گردن تک آگ ہوگی۔ اور سب سے ہلکے

عذاب میں جو آدمی مبتلا ہوگا اس کو آگ کی دو جوتیا پہنائی جائیں گی۔ ان جوتیوں کے نیچے کے تلوے اوراوپر کے تسمے دونوں آگ کے ہوں گے۔ان جوتیوں کی گرمی اور تپش سے اس آدمی کا دماغ اس طرح کھولے گا اور جوش مارے گا، جس طرح ہانڈی یا دیگ میں کھانا یا پانی کھولتا اور جوش مارتا ہے۔ وہ آدمی سمجھ رہا ہوگا کہ اسے ہی سب سے سخت عذاب میں مبتلا کیا گیا ہے، حالانکہ وہ سب سے ہلکے عذاب میں مبتلا ہوگا۔

*****

١٠٤- عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الخُدْرِيِّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، قَالَ: قُلْنَا يَا رَسُولَ اللهِ، هَلْ نَرَى رَبَّنَا يَوْمَ القِيَامَةِ؟ قَالَ: «هَلْ تُضَارُونَ فِي رُؤْيَةِ الشَّمْسِ وَالقَمَرِ إِذَا كَانَتْ صَحْوًا؟»، قُلْنَا: لاَ، قَالَ: «فَإِنَّكُمْ لاَ تُضَارُونَ فِي رُؤْيَةِ رَبِّكُمْ يَوْمَئِذٍ، إِلَّا كَمَا تُضَارُونَ فِي رُؤْيَتِهِمَا». (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ:٧٤٣٩، وَمُسْلِمٌ:١٨٣، وَابْنُ مَاجَهْ:١٧٩، وَأَحْمَدُ: ١١١٢٠)

[ترجمہ] حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم (صحابہ) نے عرض کیا: "یا رسول اللہ ﷺ! کیا ہم لوگ اپنے رب کو قیامت کے روز دیکھ سکیں گے؟" آپ ﷺ نے فرمایا: «کیا تمہیں سورج اور چاند کے دیکھنے میں جب کہ آسمان صاف ہو کوئی دشواری پیش آتی ہے؟» ہم نے عرض کیا: "جی نہیں۔" آپ ﷺ نے فرمایا: «اُس دن تمہیں اپنے رب کو دیکھنے میں کوئی دقت نہیں ہوگی، مگر اتنی ہی جتنی کہ سورج اور چاند کو دیکھنے میں ہوتی ہے۔» (صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ابن ماجہ، مسند احمد)

[شرح] صحابہء کرام رضی اللہ عنہم کے سوال کا مطلب یہ ہے کہ قیامت

کے روزجب لوگوں کا بہت بڑا مجمع اور ازدحام ہوگا اور سارے انسان اس دن ایک جگہ جمع ہونگے تو کیا ہم اللہ رب العزت کا دیدار باآسانی کر سکیں گے؟ شافعِ محشر ﷺ نے جو بات جواب میں ارشاد فرمائی اس کا حاصل یہ ہے کہ تم لوگ بہت آسانی سے اپنے رب کا دیدار کرلوگے۔ اور تمہیں کسی قسم کی زحمت یا مشقت کا سامنا بھی نہیں کرنا پڑے گا۔ اس رؤیت کو مثال سے سمجھو کہ جس طرح مطلع صاف ہونے کے وقت تمہیں، دو پہر کا سورج یا چودھویں کا چاند دیکھنے میں کسی دشواری اور زحمت کا سامنا نہیں کرنا پڑتا ہے، اسی طرح قیامت کے روز اللہ رب العزت کا دیدار کرنے میں بھی تمہیں کسی دشواری اور زحمت کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔

*****

١٠٥- عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: « إِنَّ أَهْلَ الْجَنَّةِ لَيَتَرَاءَوْنَ أَهْلَ الْغُرَفِ مِنْ فَوْقِهِمْ، كَمَا تَتَرَاءَوْنَ الْكَوْكَبَ الدُّرِّيَّ الْغَابِرَ مِنَ الْأُفُقِ مِنَ الْمَشْرِقِ أَوِ الْمَغْرِبِ، لِتَفَاضُلِ مَا بَيْنَهُمْ » (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ: ٣٢٥٦، وَمُسْلِمٌ: ٢٨٣١، وَاللَّفْظُ لَهُ، وَأَحْمَدُ: ٢٢٨٧٦)

[ترجمہ] حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرمایا: «اہل جنت اپنے اوپر کے بالا خانہ والوں کو اس طرح دیکھیں گے جس طرح تم اس روشن ستارہ کو دیکھتے ہو جو مغربی یا مشرقی آسمان کے اُفق میں ہوتا ہے۔ اس فرقِ مراتب کی وجہ سے جو ان کے درمیان ہوگا۔» (صحیح بخاری، صحیح مسلم، مسند احمد)

[شرح] جنت میں اہلِ جنت کے درمیان درجات و مراتب میں بہت فرق

ہو گا۔ ہر جنتی کو اس کے ایمان و عمل کے اعتبار سے درجہ و مرتبہ ملے گا، اور اسی اعتبار سے انہیں بالاخانے اور محلات بھی عطا کیے جائیں گے۔ ان بالاخانوں کی بلندی اور ان کی خوشنمائی میں جو فرق ہو گا، اس فرق کو اس حدیثِ پاک میں مثال سے واضح کیا گیا ہے کہ ادنی مرتبہ رکھنے والے جنتی اپنے سے اعلی مرتبہ رکھنے والے جنتی کے بالاخانے اور ان کے محلات اس طرح دیکھیں گے، جس طرح زمین پر رہنے والے آسمان کے کنارے میں روشن اور چمکدار ستارے دیکھتے ہیں۔ یعنی جنتیوں کے بالاخانے اور ان کے محلات روشن ستاروں کی طرح چمکیں گے اور ان کے درمیان اتنا فاصلہ ہو گا جتنا کہ آسمان اور زمین کے درمیان فاصلہ ہے۔ جنت میں سو درجے ہیں، اس کا اعلی درجہ جنت الفردوس ہے۔ جنت الفردوس حاصل کرنے کے لیے نیک عمل کے ساتھ اللہ سے دعا بھی کرتے رہنا چاہیے۔ جیسا کہ حدیثِ پاک میں ہے: «جب تم اللہ سے دعا مانگو تو اس سے جنت الفردوس مانگو کیونکہ وہ جنت کا افضل اور جنت کا اعلیٰ درجہ ہے۔» (صحیح بخاری: ۲۷۹۰)

*****

١٠٦- عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «إِذَا دَخَلَ أَهْلُ الْجَنَّةِ الْجَنَّةَ، وَأَهْلُ النَّارِ النَّارَ، يَقُولُ اللهُ: مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ حَبَّةٍ مِنْ خَرْدَلٍ مِنْ إِيمَانٍ فَأَخْرِجُوهُ، فَيَخْرُجُونَ قَدْ امْتُحِشُوا وَعَادُوا حُمَمًا، فَيُلْقَوْنَ فِي نَهَرِ الْحَيَاةِ، فَيَنْبُتُونَ كَمَا تَنْبُتُ الْحِبَّةُ فِي حَمِيلِ السَّيْلِ، -أَوْ قَالَ حَمِيَّةِ السَّيْلِ-» وَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «أَلَمْ تَرَوْا أَنَّهَا تَنْبُتُ صَفْرَاءَ مُلْتَوِيَةً» رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ: ٦٥٦٠، وَمُسْلِمٌ: ١٨٤، وَأَحْمَدُ: ١١٥٣٣)

[ترجمہ] حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: «جب جنت والے جنت میں اور جہنم والے جہنم میں داخل ہو جائیں گے تو اللہ فرمائیں گے جس شخص کے دل میں رائی کے برابر بھی ایمان ہو اس کو (جہنم سے) نکال لو۔ چنانچہ انہیں نکالا جائے گا تو وہ کوئلے کی طرح جلے ہوئے ہوں گے۔ پھر انہیں نہرِ حیات میں ڈالا جائیگا تو وہ اس طرح اُگیں گے جیسا کہ پانی کے بہاؤ کی جانب (مٹی) میں دانہ اگتا ہے۔» اور نبی ﷺ نے فرمایا: «کیا تم دیکھتے نہیں کہ وہ دانہ لپٹا ہوا زرد ہو کر اگتا ہے۔» (صحیح بخاری، صحیح مسلم، مسند احمد)

[شرح] فرشتوں، پیغمبروں اور مؤمنوں کی شفاعت کے بعد بھی بہت سے مسلمان جہنم میں رہ جائیں گے جو جہنم کی آگ میں جل کر کوئلہ کی طرح ہونگے۔ اللہ ارحم الراحمین حکم فرمائیں گے: "ان کو بھی جہنم سے نکالو جن کے دل میں رائی کے دانے کے برابر ایمان ہو"۔ چنانچہ فرشتے ان سب لوگوں کو جہنم سے نکال کر باہر کر دیں گے جن کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان ہوگا، خواہ ان کے نامہء اعمال میں ایمان کے علاوہ اور کوئی نیکی نہ ہوگی۔ جہنم سے نکالنے کے بعد، انہیں جنت کے دروازوں کے سامنے ایک نہر ہے، جسے "نہرِ حیات" کہا جاتا ہے، اس میں غوطہ دلایا جائے گا تو یہ لوگ اس نہر میں غوطہ کھا کر اس طرح تروتازہ ہو کر چمک دار موتی کی طرح چمکتے ہوئے پاک و شفاف نکلیں گے، جس طرح کہ سیلاب کے کوڑے کچرے میں پڑا ہو دانہ تروتازہ، چمک دار اور زرد ہو کر اُگتا ہے۔ پھر اللہ تعالی اپنے خاص فضل و کرم سے انہیں جنت میں داخل کر دیں گے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جن کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان ہوگا انہیں جہنم سے نکال کر جنت میں

ضرور داخل کیا جائے گا۔

*****

وَفِي الْخِتَامِ، أَسْأَلُ اللهَ تَعَالَى أَنْ يَجْعَلَ عَمَلِي هَذَا خَالِصاً لِوَجْهِهِ الْكَرِيْمِ، وَأَنْ يَنْفَعَ بِهِ الْمُسْلِمِين، وَأَن يَجْعَلَهُ فِي ميزَانِ حَسَنِاتِي يَوْمَ الدِّيْن. وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالى وَسَلَّمَ عَلَى نَبِيِّنَا مُحَمَّد وَآلِهِ وَأَصْحَابِه أَجْمَعِيْن، وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِين.

كَتَبَهُ:

عبد الباسط القاسمي

٢٧،رمضان ١٤٣٥ هـ.

*****

تحفۃ الامثال

مؤلف

مولانا عبد الباسط قاسمی

اس کتاب کی چند خصوصیات یہ ہیں:

* صحیح اَحادیث سے ایک سو سے زائد مِثالوں کا بہترین انتخاب۔
*تمام مثالیں صحاح ستہ اور مسند احمد سے ماخوذ اور ان کا مکمل حوالہ۔
* صحیحین کے علاوہ احادیث کے متعلق علماءِ محدثین کے اقوال۔
*علاماتِ تنصیص «...» کے ذریعہ الفاظِ حدیث کی وضاحت۔
*مقصد سمجھنے کے لئے، عنوانات کے تحت مثالوں کی تقسیم۔
*ترجمہ سلیس ہونے کے ساتھ ساتھ عام فہم۔
*شرح میں حتی الوسع اختصار اور آسان زبان کا استعمال۔